دیوانِ غالب (اردو)

نسخۂ خدابخش



تقدیم

فرخ جلالی

خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

دیوانِ غالب (اردو)

نسخۂ خدابخش

تقدیم

فرخ جلالی

خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

تقسیم کار:

○ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵

صدر دفتر:

○ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵

شاخیں:

○ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، دہلی - ۱۱۰۰۰۶
○ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ، بمبئی - ۴۰۰۰۰۳
○ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونیورسٹی مارکیٹ، علیگڑھ - ۲۰۲۰۰۲

اشاعت : ۱۹۹۶ء

پاکیزہ آفسیٹ، محمد پور روڈ، شاہ گنج، پٹنہ - ۶ میں طبع ہوئی۔

حرفے چند

دیوان غالب کے کئی قلمی نسخے خدا بخش لائبریری میں محفوظ ہیں۔ فرخ جلالی صاحب نے ان میں سے ایک کا خصوصی مُطالعہ کر کے اسکی تدوین کی ہے اور اس پر تفصیلی حواشی لکھے ہیں۔ اس نسخے کا تعارف اور متن پیش کیا جارہا ہے۔ مقدمہ اور حواشی اگلی بار۔

ع۔ ر۔ ب

جناب فرخ جلالی
میکرام

دیوانِ غالب

نسخۂ خطی خدا بخش لائبریری

لائبریری اندراج نمبر — ۹۲

> یہ نسخہ قدیم معلوم ہوتا ہے۔ قاضی عبدالودود کا یہ قیاس ہے کہ کتابت شورش ۵۷ سے پیشتر کی ہے۔ میری رائے میں ۱۸۲۰ کے آس پاس کی ہے۔ اب تک توجہ نہیں ہوئی ہے۔

اس دیوان میں غالبؔ کی ایک قدیم غزل حسب روایت قدیم شامل ہے اس میں ایک شعر شامل ہے۔ ؎

تکلف بر طرف نظارگی میں ہی سہی لیکن ۔۔۔ وہ دیکھا جائے کب یہ فتنہ دیکھا جائے ہے مجھ سے

حضرت عرشی مرحوم نے اور اب کالی داس گپتا رضا نے بہ پیروی عرشی "فتنہ" کے بجائے "ظلم" کا لفظ پسند کیا ہے۔ چند قدیم نسخوں میں جس میں اشاعتِ اوّل بھی شامل ہے لفظ "فتنہ" موجود ہے۔ فتنہ میں جو شوق اور شعریت ہے وہ ظلم میں کہاں ہے۔

یاد آیا کہ غالب نے اپنے دورِ شباب میں ایک مشہور اور معرکہ کا شعر کہا ؎

چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسدؔ ۔۔۔ گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

یہ شعر خوباں کی طرح مشہور ہو گیا اگر مان لیا جائے کہ بڑے بڑے لوگوں کے مشورے سے غالبؔ نے اپنے دیوان کا انتخاب کیا اور بعض اشعار کی صورت خود بگاڑ دی۔ اپنے پہلے ہی دیوان کی اشاعت کے موقع پر غالبؔ نے شعر کے اس متن کو پسند کیا ؎

یار سے چھیڑ چلی جائے اسدؔ ۔۔۔ گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

قبول عام نے پہلا متن مشہور رکھا اس طرح اس قتل کا چرچا نہیں ہوا مگر مطبوعہ دیوانوں میں آخری متن چھپ رہا ہے۔

ایک حیرت کی بات ہے کہ جناب کالی داس گپتا رضا اور ان سے پہلے کے بڑے حضرات خدا بخش لائبریری کے اس خطی نسخہ کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں فرماتے۔ جناب کالی داس گپتا رضا بارہ قلمی نسخوں کا اور پانچ مطبوعہ نسخوں کی مدد سے اپنا دیوان غالب مرتب فرماتے ہیں مگر یہ نسخہ خدا بخش لائبریری یا نسخۂ عظیم آباد قابل ذکر قرار نہیں پاتا۔ میں نسخۂ عظیم آباد کو شایع کرنا چاہتا ہوں۔ مالک رام مرحوم سے بارہا تذکرہ رہا کہ غالب کے خطی نسخوں کی اشاعت کی ضرورت ہے۔ بہت برسوں کی بات ہے کہ میں نے غالب پہ ایک مضمون کی اشاعت پر لکھا تھا کہ سر سید اور ان کے بھائی سید محمد کے مطبع کا نام سید المطابع نہیں تھا۔ حضرت عرشی مرحوم نے اپنے مرتبہ دیوان میں ایک جگہ تحریر فرمایا:

"یہ مطبع سر سید کے بھائی سید محمد خان بہادر نے دہلی میں قائم کیا تھا اور سید المطابع یا مطبع سید الاخبار کے نام سے مشہور تھا۔"

جناب مالک رام نے اور کالی داس گپتا رضا نے اشاعت اول کا سر ورق چھاپا ہے۔ اس میں صاف لکھا ہے کہ "سید محمد خان بہادر کے چھاپہ خانے کے لیتھو گرافک پریس میں چھاپا ہوا۔"

اس سے قبل سر سید کی پہلی فارسی کتاب "جام جم" اسی مطبع سے جب شایع ہوئی تو "پریس" کا نام مطبع سید الاخبار نہیں تھا بعد کو اس چھاپہ خانہ کا نام مطبع سید الاخبار ہوگیا۔ یہ ترکیب لکھنؤ کے پریسوں کی طرز پر کی گئی۔ بعد میں جب اس پریس کا نام مطبع سید الاخبار ہوگیا تو سر سید احمد کی کئی کتابیں اس مطبع سے چھپتی رہیں جیسے آثار الصنادید، ۴۷ء (طبع اول) وغیرہ۔ اور مصنفین کی کتابیں بھی مطبع سید الاخبار سے شایع ہوئیں جن کی ایک مختصر فہرست آئندہ دی جائے گی۔ ۱۸۴۰ء یا ۱۸۴۱ء میں اس مطبع سے اخبار سید الاخبار بھی چھپنے لگا۔ اس کا موضوع زیادہ تر قانون تھا۔

●●

دیوانِ غالبؔ (اُردو) نسخۂ خدا بخش

تقدیم

فرخ جلالی

رب یسر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وتمم بالخیر

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا ... کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

کاو کاو سخت جانیہای تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا لانا ہے جوی شیر کا

جذبۂ بے اختیار شوق دیکھا چاہیے
سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا

آگہی دام شنیدن جسقدر چاہے بچھای
مدعا عنقا ہے اپنے عالم تقریر کا

بسکہ ہوں غالب اسیری میں بھی آتش زیر پا
موی آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا

ولہ

جز قیس اور کوی نہ آیا بروی کار
صحرا مگر بہ تنگی چشم حسود تھا

آشفتگی نے نقش سویدا کیا درست
ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دود تھا

تھا خواب میں خیال کو تجھسے معاملہ
جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا

لیتا ہوں مکتب غم دل میں سبق ہنوز — لیکن یہی کہ رفت گیا اور بود تھا

ڈھانپا کفن نے داغ عیوب برہنگی — میں ورنہ ہر لباس میں ننگ وجود تھا

تیشے بغیر مر نسکا کوہکن اسد — سرگشتۂ خمار رسوم و قیود تھا

ولہ

کہتے ہو نہ دینگے ہم دل اگر پڑا پایا — دل کہاں کہ گم کیجے ہمنے مدعا پایا

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا — درد کی دوا پائی درد بے دوا پایا

سادگی و پرکاری بیخودی و ہشیاری — حسن کو تغافل میں جرأت آزما پایا

غنچہ پھر لگا کھلنے آج ہمنے اپنا دل — خوں کیا ہوا دیکھا گم کیا ہوا پایا

حال دل نہیں معلوم لیکن اسقدر یعنی — ہمنے بارہا ڈھونڈا تمنے بارہا پایا

شور پند ناصح نے زخم پر نمک چھڑکا — آپ سے کوئی پوچھے تمنے کیا مزا پایا

دوستدار دشمن ہے اعتماد دل معلوم — آہ بے اثر دیکھی نالہ نارسا پایا

ولہ

دل مرا سوز نہاں سے بے محابا جل گیا — آتش خاموش کی مانند گویا جل گیا

دل میں ذوق وصل و یاد یار تک باقی نہیں — آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا

میں عدم سے بھی پرے ہوں ورنہ غافل بارہا — میری آہ آتشیں سے بال عنقا جل گیا

عرض کیجے جوہر اندیشہ کی گرمی کہاں — کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا

دل نہیں

دل نہیں تجھکو دکھاتا ورنہ داغوں کی بہار / اس چراغاں کا کروں کیا کارفرما جل گیا

میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غالبؔ کہ دل / دیکھکر طرزِ تپاکِ اہلِ دنیا جل گیا

ولہ

شوق ہر رنگ رقیبِ سر و ساماں نکلا / قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا

زخم نے داد نہ دی تنگیٔ دل کی یارب / تیر بھی سینۂ بسمل سے پُرافشاں نکلا

بوئے گل نالۂ دل دودِ چراغِ محفل / جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

دلِ حسرت زدہ تھا مائدۂ لذتِ درد / کام یاروں کا بقدرِ لب و دنداں نکلا

تھی نو آموزِ فنا ہمتِ دشوار پسند / سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا

دل میں پھر گریہ نے اک شور اٹھایا غالبؔ / آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوفاں نکلا

ولہ

دھمکی میں مر گیا جو نہ بابِ نبرد تھا / عشقِ نبرد پیشہ طلبگارِ مرد تھا

تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا / اڑنے سے پیشتر بھی مرا رنگ زرد تھا

تالیفِ نسخہ ہائے وفا کر رہا تھا میں / مجموعۂ خیال ابھی فرد فرد تھا

دل تا جگر کہ ساحلِ دریائے خوں ہے اب / اس رہگزر میں جلوۂ گل آگے گرد تھا

جاتی ہے کوئی کشمکش اندوہِ عشق کی / دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا

احباب چارہ سازیٔ وحشت نہ کر سکے
زنداں میں بھی خیال بیاباں نورد تھا

یہ لاش بے کفن اسدِ خستہ جاں کی ہے
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

ولہ

شمارِ سبحہ مرغوبِ بتِ مشکل پسند آیا
تماشائے بیک کف بردنِ صد دل پسند آیا

بفیضِ بیدلی نومیدیٔ جاوید آساں ہے
کشائش کو ہمارا عقدۂ مشکل پسند آیا

ہوائے سیرِ گل آئینۂ بے مہریٔ قاتل
کہ اندازِ بخوں غلطیدنِ بسمل پسند آیا

ولہ

دہر میں نقشِ وفا وجہِ تسلی نہ ہوا
ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

سبزۂ خط سے ترا کاکلِ سرکش نہ دبا
یہ زمرد بھی حریفِ دمِ افعی نہ ہوا

میں نے چاہا تھا کہ اندوہِ وفا سے چھوٹوں
وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

دل گزرگاہِ خیالِ مے و ساغر ہی سہی
گر نفس جادۂ سر منزلِ تقوی نہ ہوا

ہوں ترے وعدہ نہ کرنے میں بھی راضی کہ کبھی
گوش منت کشِ گلبانگِ تسلی نہ ہوا

کس سے محرومیٔ قسمت کی شکایت کیجے
ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو وہ بھی نہ ہوا

مرگیا صدمۂ یک جنبشِ لب سے غالب
ناتوانی سے حریفِ دمِ عیسی نہ ہوا

ولہ

ستائش گر ہے زاہد اس قدر جس باغِ رضواں کا
وہ اک گلدستہ ہے ہم بیخودوں کے طاقِ نسیاں کا

بیاں کی

بیاں کیا کیجیے بیدادِ کاوش ہائے مژگاں کا
کہ ہر اک قطرۂ خوں دانہ ہے تسبیحِ مرجاں کا

نہ آئی سطوتِ قاتل بھی مانع میرے نالوں کو
لیا دانتوں میں جو تنکا ہوا ریشہ نیستاں کا

دکھاؤں گا تماشا دی اگر فرصت زمانے نے
مرا ہر داغِ دل اک تخم ہے سروِ چراغاں کا

کیا آئینہ خانے کا وہ نقشہ تیرے جلوے نے
کرے جو پرتوِ خورشید عالم شبنمستاں کا

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولیٰ برقِ خرمن کا ہے خونِ گرم دہقاں کا

اُگا ہے گھر میں ہر سو سبزہ ویرانی تماشا کر
مدار اب کھودنے پر گھاس کے ہے میرے درباں کا

خموشی میں نہاں خوں گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں
چراغِ مردہ ہوں میں بے زباں گورِ غریباں کا

ہنوز اک پرتوِ نقشِ خیالِ یار باقی ہے
دلِ افسردہ گویا حجرہ ہے یوسف کے زنداں کا

بغل میں غیر کی آج آپ سوتے ہیں کہیں ورنہ
سبب کیا خواب میں آ کر تبسم ہائے پنہاں کا

نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا
قیامت ہے سرشک آلودہ ہونا تیری مژگاں کا

نظر میں ہے ہماری جادۂ راہِ فنا غالبؔ
کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزائے پریشاں کا

ولہ

نہ ہوگا یک بیاباں ماندگی سے ذوق کم میرا
حبابِ موجۂ رفتار ہے نقشِ قدم میرا

محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بے دماغی ہے
کہ موجِ بوئے گل سے ناک میں آتا ہے دم میرا

ولہ

سراپا رہنِ عشق و ناگزیرِ الفتِ ہستی
عبادت برق کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا

بقدرِ ظرف ہے ساقی خمارِ تشنہ کامی بھی ۔ جو تو دریائے مے ہے تو میں خمیازہ ہوں ساحل کا

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا ۔ یہاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

تو اور سوئے غیر نظرہائے تیز تیز ۔ یہ وقت ہے شگفتنِ گلہائے ناز کا

صرفہ ہے ضبطِ آہ میں میرا وگرنہ میں ۔ طعمہ ہوں ایک ہی نفسِ جاں گداز کا

ہیں بسکہ جوشِ بادہ سے شیشے اچھل رہے ۔ ہر گوشۂ بساط ہے سر شیشہ باز کا

کاوش کا دل کرے ہے تقاضا کہ ہے ہنوز ۔ ناخن پہ قرض اس گرہِ نیم باز کا

تاراجِ کاوشِ غمِ ہجراں ہوا اسد ۔ سینہ کہ تھا دفینہ گہرہائے راز کا

ولہ

شب کہ برقِ سوزِ دل سے زہرۂ ابر آب تھا ۔ شعلۂ جوالہ ہر یک حلقۂ گرداب تھا

وہاں کرم کو عذرِ بارش تھا عناں گیرِ خرام ۔ گریہ سے یہاں پنبۂ بالش کفِ سیلاب تھا

وہاں خود آرائی کو تھا موتی پرونے کا خیال ۔ یہاں ہجومِ اشک میں تارِ نگہ نایاب تھا

جلوۂ گل نے کیا تھا وہاں چراغاں آبجو ۔ یہاں رواں مژگانِ چشمِ تر سے خونِ ناب تھا

یہاں سرِ پرشور بےخوابی سے تھا دیوار جو ۔ وہاں وہ فرقِ ناز محوِ بالشِ کمخواب تھا

یہاں نفس کرتا تھا روشن شمعِ بزمِ بیخودی ۔ جلوۂ گل وہاں بساطِ صحبتِ احباب تھا

فرش سے تا عرش وہاں طوفاں تھا موجِ رنگ کا ۔ یہاں زمیں سے آسماں تک سوختن کا باب تھا

نالۂ دل

ناگہاں اس رنگ سے خوں نابہ ٹپکانے لگا
دل کہ ذوقِ کاوشِ ناخن سے لذت یاب تھا

نالۂ دل میں شب اندازِ اثر نایاب تھا
تھا سپندِ بزمِ وصلِ غیر گو بیتاب تھا

مقدمِ سیلاب سے دل کیا نشاط آہنگ ہے
خانۂ عاشق مگر سازِ صدائے آب تھا

نازشِ ایامِ خاکستر نشینی کیا کہوں
پہلوئے اندیشہ وقفِ بسترِ سنجاب تھا

کچھ نہ کی اپنے جنونِ نارسا نے ورنہ یاں
ذرہ ذرہ روکشِ خورشیدِ عالم تاب تھا

آج کیوں پروا نہیں اپنے اسیروں کی تجھے
کل تلک تیرا بھی دل مہر و وفا کا باب تھا

یاد کر وہ دن کہ ہر یک حلقہ تیرے دام کا
انتظارِ صید میں اک دیدۂ بیخواب تھا

میں نے روکا رات غالب کو وگرنہ دیکھتے
اس کے سیلِ گریہ میں گردوں کفِ سیلاب تھا

ولہ

ایک ایک قطرہ کا مجھے دینا پڑا حساب
خونِ جگر ودیعتِ مژگانِ یار تھا

اب میں ہوں اور ماتمِ یک شہرِ آرزو
توڑا جو تو نے آئنہ تمثال دار تھا

گلیوں میں میری نعش کو کھینچے پھرو کہ میں
جاں دادۂ ہوائے سرِ رہگزار تھا

موجِ سرابِ دشتِ وفا کا نہ پوچھ حال
ہر ذرہ مثلِ جوہرِ تیغ آبدار تھا

کم جانتے تھے ہم بھی غمِ عشق کو پر اب
دیکھا تو کم ہوئے پہ غمِ روزگار تھا

ولہ

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی
در و دیوار سے ٹپکے ہے بیاباں ہونا

وائے دیوانگیٔ شوق کہ ہر دم مجھ کو
آپ جانا ادھر اور آپ سے حیراں ہونا

جلوہ از بسکہ تقاضائے نگہ کرتا ہے
جوہر آئینہ بھی چاہے ہے مژگاں ہونا

عشرت قتل گہ اہل تمنا مت پوچھ
عید نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا

لے گئے خاک میں ہم داغ تمنائے نشاط
تو ہو اور آپ بصد رنگ گلستاں ہونا

عشرت پارۂ دل زخم تمنا کھانا
لذت ریش جگر غرق نمکداں ہونا

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

حیف اس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالبؔ
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

ولہ

شب خمار شوق ساقی رستخیز اندازہ تھا
تا محیط بادہ صورت خانۂ خمیازہ تھا

ایک قدم وحشت سے درس دفتر امکاں کھلا
جادہ اجزائے دو عالم دشت کا شیرازہ تھا

مانع وحشت خرامی ہائے لیلیٰ کون ہے
خانۂ مجنون صحرا گرد بے دروازہ تھا

پوچھ مت رسوائی انداز استغنائے حسن
دست مرہون حنا رخسار رہن غازہ تھا

نالۂ دل نے دیے اوراق لخت دل بہ باد
یادگار نالہ اک دیوان بے شیرازہ تھا

دوست غمخواری میں میری سعی فرماویں گے کیا — ولہ — زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ جاویں گے کیا
حضرت ناصح گر آویں دیدہ و دل فرش راہ — کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھاویں گے کیا
بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تلک — ہم کہیں گے حال دل اور آپ فرماویں گے کیا
آج واں تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں — عذر میرے قتل کرنے میں وہ اب لاویں گے کیا
گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھا یوں سہی — یہ جنون عشق کے انداز چھٹ جاویں گے کیا
خانہ زاد زلف ہیں زنجیر سے بھاگیں گے کیوں — ہیں گرفتار وفا زنداں سے گھبراویں گے کیا
ہے اب اس معمورہ میں قحط غم الفت اسد — ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں کھاویں گے کیا

ولہ

ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا — نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا
تجاہل پیشگی سے مدعا کیا — کہاں تک اے سراپا ناز کیا کیا
نوازش ہاے بیجا دیکھتا ہوں — شکایت ہاے رنگیں کا گلا کیا
نگاہ بے محابا چاہتا ہوں — تغافل ہاے تمکیں آزما کیا
فروغ شعلۂ خس یک نفس ہے — ہوس کو پاس ناموس وفا کیا
نفس موج محیط بیخودی ہے — تغافل ہاے ساقی کا گلا کیا
دماغ عطر پیراہن نہیں ہے — غم آوارگی ہاے صبا کیا

اسد ہم وہ جنوں جولاں گدائے بے سر و پا ہیں کہ ہے سر پنجۂ مژگانِ آہو پشت خار اپنا

ولہ

ہے بند زرگرم تحفۂ شستم پارسائی کا بخوں غلطیدۂ صد رنگ دعویٰ پارسائی کا

نہ ہو حسنِ تماشا دوست رسوا بیوفائی کا بمہرِ صد نظر ثابت ہے دعویٰ پارسائی کا

زکوٰۃِ حسن دے اے جلوۂ بینش کہ مہر آسا چراغِ خانۂ درویش ہو کاسہ گدائی کا

نہ مارا جان کر بے جرم غافل تیری گردن پر رہا مانند خونِ بے گنہ حق آشنائی کا

تمنائے زباں محوِ سپاسِ بے زبانی ہے مٹا جس سے تقاضا شکوۂ بے دست و پائی کا

وہی اک بات ہے جو یاں نفس واں نکہتِ گل ہے چمن کا جلوہ باعث ہے مری رنگیں نوائی کا

عدم تک بیوفا چرچا ہے تیری بیوفائی کا

نہ دے نامہ کو اتنا طول غالب مختصر لکھدے کہ حسرت سنج ہوں عرضِ ستم ہائے جدائی کا

ولہ

گر نہ اندوہِ شبِ فرقت بیاں ہو جائیگا بے تکلف داغِ مہ مہرِ دہاں ہو جائیگا

زہرہ گر ایسا ہی شامِ ہجر میں ہوتا ہے آب پرتوِ مہتاب سیلِ خانماں ہو جائیگا

لے تو لوں سوتے میں اوسکے پاؤں کا بوسہ مگر ایسی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہو جائیگا

دلکو ہم صرفِ وفا سمجھے تھے کیا معلوم تھا یعنی یہ پہلے ہی نذرِ امتحاں ہو جائیگا

بیکار دم

سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تو راضی ہوا
مجھ پہ گویا اک زمانہ مہرباں ہو جائیگا

گر نگاہِ گرم فرماتی رہی تعلیمِ ضبط
شعلہ خس میں جیسے خوں رگ میں نہاں ہو جائیگا

باغ میں مجھکو نہ لیجا ورنہ مرے حال پر
ہر گلِ تر ایک چشمِ خوں فشاں ہو جائیگا

وائے گر میرا ترا انصاف محشر میں نہو
اب تلک تو یہ توقع ہے کہ واں ہو جائیگا

فایدہ کیا سوچ آخر تو بھی دانا ہے اسدؔ
دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائیگا

ولہ

گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگیِ جا کا
گہر میں محو ہوا اضطراب دریا کا

یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخِ مکتوب
مگر ستم زدہ ہوں ذوقِ خامہ فرسا کا

حنائے پائے خزاں ہے بہار اگر ہے یہی
دوامِ کلفتِ خاطر ہے عیش دنیا کا

غمِ فراق میں تکلیفِ سیرِ باغ نہ دو
مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بیجا کا

ہنوز محرمیِ حسن کو ترستا ہوں
کرے ہے ہر بنِ مو کام چشمِ بینا کا

دل اوسکو پہلے ہی ناز و ادا سے دے بیٹھے
ہمیں دماغ کہاں حسن کے تقاضا کا

نہ کہہ کہ گریہ بمقدارِ حسرتِ دل ہے
مری نگاہ میں ہے جمع و خرچ دریا کا

فلک کو دیکھ کے کرتا ہوں اوسکو یاد اسدؔ
جفا میں اسکی ہے انداز کارفرما کا

قطرۂ مے بسکہ حیرت سے نفس پرور ہوا — ولہ — خطِ جامِ مے سراسر رشتۂ گوہر ہوا
اعتبارِ عشق کی خانہ خرابی دیکھنا — غیر نے کی آہ لیکن وہ خفا مجھ پر ہوا

ولہ

جب بہ تقریبِ سفر یار نے محمل باندھا — تپشِ شوق نے ہر ذرّے پہ اک دل باندھا
اہلِ بینش نے بہ حیرت کدۂ شوخیِ ناز — جوہرِ آئینہ کو طوطیِ بسمل باندھا
یاس و امید نے اک عربدہ میداں مانگا — عجزِ ہمت نے طلسمِ دلِ سائل باندھا
نہ بندھے تشنگیِ شوق کے مضموں غالب — گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا

ولہ

یک ذرۂ زمیں نہیں بیکار باغ کا — یاں جادہ بھی فتیلہ ہے لالے کے داغ کا
بے مے کسے ہے طاقتِ آشوبِ آگہی — کھینچا ہے عجزِ حوصلہ نے خطِ ایاغ کا
تازہ نہیں ہے نشۂ فکرِ سخن مجھے — تریاکیِ قدیم ہوں دودِ چراغ کا
بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل — کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا
سو بار بندِ عشق سے آزاد ہم ہوئے — پر کیا کریں کہ دل ہی عدو ہے فراغ کا
بے خونِ دل ہے چشم میں موجِ نگہ غبار — یہ میکدہ خراب ہے مے کے سراغ کا
باغِ شگفتہ تیرا بساطِ نشاط ہے — ابرِ بہار خمکدہ کس کے دماغ کا

وہ مری چینِ جبیں سے غمِ پنہاں سمجھا — ولہ — رازِ مکتوب بہ بے ربطیِ عنواں سمجھا

یک الف بیش نہیں صیقلِ آئینہ ہنوز — چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا

شرحِ اسبابِ گرفتاریِ خاطر مت پوچھ — اس قدر تنگ ہوا دل کہ میں زنداں سمجھا

بدگمانی نے نہ چاہا اسے سرگرمِ خرام — رخ پہ ہر قطرہ عرق دیدۂ حیراں سمجھا

عجز سے اپنے یہ جانا کہ وہ بدخو ہوگا — نبضِ خس سے تپشِ شعلۂ سوزاں سمجھا

سفرِ عشق میں کی ضعف نے راحت طلبی — ہر قدم سایے کو میں اپنے شبستاں سمجھا

تھا گریزاں مژۂ یار سے دل تا دمِ مرگ — دفعِ پیکانِ قضا اس قدر آساں سمجھا

دل دیا جان کے کیوں اس کو وفادار اسدؔ — غلطی کی کہ جو کافر کو مسلماں سمجھا

ولہ

پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا — دل جگر تشنۂ فریاد آیا

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز — پھر ترا وقتِ سفر یاد آیا

سادگی ہائے تمنا یعنی — پھر وہ نیرنگِ نظر یاد آیا

عذرِ واماندگی اے حسرتِ دل — نالہ کرتا تھا جگر یاد آیا

زندگی یوں بھی گزر ہی جاتی — کیوں ترا راہ گزر یاد آیا

آہ وہ جرأتِ فریاد کہاں — دل سے تنگ آ کے جگر یاد آیا

پھر تیری کوچہ کو جاتی ہے خیال — دل گم گشتہ مگر یاد آیا

کیا ہی رضوان سے لڑائی ہوگی — گھر ترا خلد میں گر یاد آیا

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے — دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسد
سنگ اوٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

لب خشک در تشنگی مردگاں کا — زیارت کدہ ہوں دل آزردگاں کا

ہمہ ناامیدی ہمہ بدگمانی — میں دل ہوں فریب وفا خوردگاں کا

ولہ

تو دوست کسی کا بھی ستمگر نہ ہوا تھا — اوروں پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا

چھوڑا مہ نخشب کی طرح دست قضا نے — خورشید ہنوز اوسکے برابر نہ ہوا تھا

توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے — آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا

جب تک کہ نہ دیکھا تھا قد یار کا عالم — میں معتقد فتنۂ محشر نہ ہوا تھا

میں سادہ دل آزردگی یار سے خوش ہوں — یعنی سبق شوق مکرر نہ ہوا تھا

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک — میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

جاری تھی اسد داغ جگر سے مری تحصیل — آتشکدہ جاگیر سمندر نہ ہوا تھا

ولہ

شب کہ

شب کہ وہ مجلس فروز خلوت ناموس تھا ‏— رشتۂ ہر شمع خار کسوت فانوس تھا

مشہد عاشق سے کوسوں تک جو اگتی ہے حنا ‏— کس قدر یا رب ہلاک حسرت پابوس تھا

حاصل الفت نہ دیکھا جز شکست آرزو ‏— دل بہ دل پیوستہ گویا یک لب افسوس تھا

کیا کہوں بیماری غم کی فراغت کا بیاں ‏— جو کہ کھایا خون دل بے منت کیموس تھا

ولہ

آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے ‏— صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

قاصد کو اپنے ہاتھ سے گردن نہ ماریے ‏— اس کی خطا نہیں ہے یہ میرا قصور تھا

ولہ

عرض نیاز عشق کے قابل نہیں رہا ‏— جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

جاتا ہوں داغ حسرت ہستی لیے ہوئے ‏— ہوں شمع کشتہ در خور محفل نہیں رہا

مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ میں ‏— شایان دست و بازوئے قاتل نہیں رہا

بر روئے شش جہت در آئینہ باز ہے ‏— یاں امتیاز ناقص و کامل نہیں رہا

وا کر دیے ہیں شوق نے بند نقاب حسن ‏— غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہیں رہا

گو میں رہا رہین ستم ہائے روزگار ‏— لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

دل سے ہوائے کشت وفا مٹ گئی کہ واں ‏— حاصل سوائے حسرت حاصل نہیں رہا

بیداد عشق سے نہیں ڈرتا مگر اسد ‏— جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

رشک کہتا ہے کہ اس کا غیر سے اخلاص حیف ولہ عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا

ذرہ ذرہ ساغرِ مےخانۂ نیرنگ ہے گردشِ مجنوں بہ چشمک ہائے لیلیٰ آشنا

شوق ہے ساماں طرازِ نازشِ اربابِ عجز ذرہ صحرا دستگاہ و قطرہ دریا آشنا

میں اور اک آفت کا ٹکڑا وہ دلِ وحشی کہ ہے عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا

شکوہ سنجِ رشکِ ہمدیگر نہ رہنا چاہیے میرا زانو مونس اور آئینہ تیرا آشنا

کوہکن نقاشِ یک تمثالِ شیریں تھا اسد
سنگ سے سر مار کر ہووے نہ پیدا آشنا

سرمۂ مفتِ نظر ہوں میری قیمت یہ ہے ولہ کہ رہے چشمِ خریدار پہ احساں میرا

رخصتِ نالہ مجھے دے کہ مبادا ظالم تیرے چہرے سے ہو ظاہر غمِ پنہاں میرا

ولہ

غافل بہ وہمِ ناز خود آرا ہے ورنہ یاں بے شانۂ صبا نہیں طرہ گیاہ کا

بزمِ قدح سے عیشِ تمنا نہ رکھ کہ رنگ صید ز دام جستہ ہے اس دام گاہ کا

رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا

مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہوں میں کہ ہے پر گل خیالِ زخم سے دامن نگاہ کا

جاں در ہوائے یک نگہِ گرم ہے اسد پروانہ ہے وکیل ترے داد خواہ کا

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
چمن زنگار ہے آئینۂ باد بہاری کا

حریف جوشش دریا نہیں خودداری ساحل
جہاں ساقی ہو تو باطل ہے دعویٰ ہوشیاری کا

ولہ

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

تجھ سے قسمت میں مری صورت قفل ابجد
تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا

دل ہوا کشمکش چارۂ زحمت میں تمام
مٹ گیا گھسنے میں اس عقدہ کا وا ہو جانا

اس جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ
اس قدر دشمن ارباب وفا ہو جانا

ضعف سے گریہ مبدل بدم سرد ہوا
باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا

دل سے مٹنا تری انگشت حنائی کا خیال
ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا

ہے مجھے ابر بہاری کا برس کر کھلنا
روتے روتے غم فرقت میں فنا ہو جانا

گر نہیں نکہت گل کو ترے کوچے کی ہوس
کیوں ہے گرد رہ جولان صبا ہو جانا

ف بخشے ہے جلوۂ گل ذوق تماشا غالب
چشم کو چاہیے ہر رنگ میں وا ہو جانا

تاکہ تجھ پر کھلے اعجاز ہوائے صیقل
دیکھ برسات میں سبز آئینے کا ہو جانا

ردیف الباء الموحدہ

پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موج شراب
دے بط مے کو دل و دست شنا موج شراب

پوچھ مت وجہ سیہ مستیِ اربابِ چمن
سایۂ تاک میں ہوتی ہے ہوا موجِ شراب

جو ہوا غرقۂ مے بختِ رسا رکھتا ہے
سر سے گزرے پہ بھی ہے بالِ ہما موجِ شراب

ہے یہ برسات وہ موسم کہ عجب کیا ہے اگر
موجِ ہستی کو کرے فیضِ ہوا موجِ شراب

چار موج اٹھتی ہے طوفانِ طرب سے ہر سو
موجِ گل موجِ شفق موجِ صبا موجِ شراب

جس قدر روحِ نباتی ہے جگر تشنۂ ناز
دے ہے تسکیں بدمِ آبِ بقا موجِ شراب

بس کہ دوڑے ہے رگِ تاک میں خوں ہو ہو کر
شہپرِ رنگ سے ہے بال کشا موجِ شراب

موجۂ گل سے چراغاں ہے گزرگاہِ خیال
ہے تصور میں ز بس جلوہ نما موجِ شراب

نشے کے پردے میں ہے محوِ تماشائے دماغ
بس کہ رکھتی ہے سرِ نشو و نما موجِ شراب

ایک عالم پہ ہیں طوفانیِ کیفیتِ فصل
موجۂ سبزۂ نوخیز سے تا موجِ شراب

شرحِ ہنگامۂ ہستی ہے زہے موسمِ گل
رہبرِ قطرہ بہ دریا ہے خوشا موجِ شراب

ہوش اڑتے ہیں مرے جلوۂ گل دیکھ اسدؔ
پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موجِ شراب

ردیف التا

افسوس کہ دنداں کا کیا رزق فلک نے
جن لوگوں کی تھی درخورِ عقدِ گہر انگشت

کافی ہے نشانی ترا چھلّے کا نہ دینا
خالی مجھے دکھلا کے بوقتِ سفر انگشت

لکھتا ہوں اسدؔ سوزشِ دل سے سخنِ گرم
تا رکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پر انگشت

رها گر گوی تا قیامت سلامت — ولہ — بهر ایک روز مرتا چه حضرت سلامت

جگر گوی عشق تو نبا به مشرب — نکهی بیچ خداوند نعمت سلامت

علی از غم دشمن شهید وفا یون — مبارکه مبارک سلامت سلامت

نهن گر سرو برک ادراک میچی — تماشای نابرنگ صورت سلامت

نبدگی گهولنی بچه گهولنی انگهین غالب — ولہ — بار لای میرب بالین به اوسی برگسوف

ولہ

آمد خط سبزی هوای سرو جو بار از دوست — درد و غم گشته نهان تبدخط از خسار دوست

ایدل نامی قیت اندیشی خط شوق کر — گون لاشکنای ناب جلوه دیدار دوست

خانه ویران سازی حیرت تماشا کیجی — صورت نقش قدم من رفته رفتار دوست

عشقفن میدلار رشک غیر نی مارا مجی — گشته دشمن من آخر از جه تیمار دوست

چشم یار روشن که اوس میدرلدکادن شاد چچ — دیده بر خون ممار از ساغر سرشار دوست

غیر بون کزنا چه مهمی برنش ادکسی هجر من — نی تکلف دوست بوجب سکی غمخوار دوست

تا که من جانون نه چه اوکسی رب ایمان تنگ — محکو دنیای بیام وعده دیدار دوست

جبکه من گزنا من انبا شکوه ضعف دماغ — سر کرب چه وه حدیث زلف عنبر بار دوست

جبیبی جبیبی محکورونی دیکه بانا چه اگر — هنس بکه گزنا چه جان تشویحی گفتار دوست

مہربانی ہاے دشمن کی شکایت کیجیے
یا بیان کیجیے سپاسِ لذتِ آزارِ دوست

یہ غزل اپنی مجھے جی سے پسند آتی ہے آپ
ہے ردیفِ شعر میں غالب زبس تکرارِ دوست

ردیف الجیم المعجمہ العربیہ

گلشن میں بندوبست برنگِ دگر ہے آج
قمری کا طوق حلقۂ بیرونِ در ہے آج

آتا ہے ایک پارۂ دل ہر فغاں کے ساتھ
تارِ نفس کمندِ شکارِ اثر ہے آج

اے عافیت کنارہ کر اے انتظام چل
سیلابِ گریہ درپئے دیوار و در ہے آج

وله

لو ہم مریضِ عشق کے بیمار دار ہیں
اچھا اگر نہ ہو تو مسیحا کا کیا علاج

جیم الفارسی

نفس نہ انجمنِ آرزو سے باہر کھینچ
اگر شراب نہیں انتظارِ ساغر کھینچ

کمالِ گرمیِ سعیِ تلاشِ دید نہ پوچھ
برنگِ خار مرے آئینے سے جوہر کھینچ

تجھے بہانۂ راحت ہے انتظار اے دل
کیا ہے کس نے اشارہ کہ نازِ بستر کھینچ

تری طرف ہے بہ حسرت نظارۂ نرگس
بکوریِ دل و چشمِ رقیب ساغر کھینچ

بہ نیمِ غمزہ ادا کر حقِ ودیعتِ ناز
نیامِ پردۂ زخمِ جگر سے خنجر کھینچ

مرے قدح میں ہے صہبائے آتشِ پنہاں
بروئے سفرہ کبابِ دلِ سمندر کھینچ

[illegible]

ردیف الدال

حسن غمزے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد — بارے آرام سے ہیں اہلِ جفا میرے بعد

منصبِ شیفتگی کے کوئی قابل نہ رہا — ہوئی معزولیِ انداز و ادا میرے بعد

شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے — شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد

درخورِ عرض نہیں جوہرِ بیداد کو جا — نگہِ ناز ہے سرمے سے خفا میرے بعد

ہے جنوں اہلِ جنوں کے لیے آغوشِ وداع — چاک ہوتا ہے گریباں سے جدا میرے بعد

کون ہوتا ہے حریفِ مےِ مرد افگنِ عشق — ہے مکرر لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد

غم سے مرتا ہوں کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی — کہ کرے تعزیتِ مہر و وفا میرے بعد

آئے ہے بیکسیِ عشق پہ رونا غالب — کس کے گھر جائے گا سیلابِ بلا میرے بعد

ردیف الراء

بلا سے ہیں جو یہ پیشِ نظر در و دیوار — نگاہِ شوق کو ہیں بال و پر در و دیوار

وفورِ اشک نے کاشانے کا کیا یہ رنگ — کہ ہو گئے مرے دیوار و در در و دیوار

نہیں ہے سایہ کہ سن کر نوید مقدمِ یار — گئے ہیں چند قدم پیشتر در و دیوار

ہوئی ہے کس قدر ارزانیِ مئے جلوہ — کہ مست ہے ترے کوچے میں ہر در و دیوار

جو ہے تجھے سرِ سودائے انتظار تو آ — کہ ہیں دکانِ متاعِ نظر در و دیوار

ہجومِ گریہ کا سامان کب کیا میں نے — کہ گر پڑے نہ مرے پاؤں پر در و دیوار

وہ آ رہا مرے ہمسایہ میں تو سایہ سے / ہوئے فدا در و دیوار پر در و دیوار

نظر میں کھٹکے ہے بن تیرے گھر کی آبادی / ہمیشہ روتے ہیں ہم دیکھکر در و دیوار

نہ پوچھ بیخودیٔ عیشِ مقدمِ سیلاب / کہ ناچتے ہیں پڑے سر بسر در و دیوار

نہ کہہ کسو سے کہ غالب نہیں زمانہ میں / حریفِ رازِ محبت مگر در و دیوار

کیوں جل گیا نہ تاب رخِ یار دیکھکر / جلتا ہوں اپنی طاقتِ دیدار دیکھکر

آتش پرست کہتے ہیں اہلِ جہاں مجھے / سرگرمِ نالہ ہائے شرر بار دیکھکر

کیا آبروئے عشق جہاں عام ہو جفا / رکتا ہوں تمکو بے سبب آزار دیکھکر

آتا ہے میرے قتل کو پر جوشِ رشک سے / مرتا ہوں اسکے ہاتھ میں تلوار دیکھکر

ثابت ہوا ہے گردنِ مینا پہ خونِ خلق / لرزے ہے موجِ مے تری رفتار دیکھکر

وا حسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ / ہمکو حریصِ لذتِ آزار دیکھکر

بک جاتے ہیں ہم آپ متاعِ سخن کے ساتھ / لیکن عیارِ طبعِ خریدار دیکھکر

زنار باندھ سبحۂ صد دانہ توڑ ڈال / رہرو چلے ہے راہ کو ہموار دیکھکر

ان آبلوں سے پانو کے گھبرا گیا تھا میں / جی خوش ہوا ہے راہ کو پر خار دیکھکر

کیا بدگماں ہے مجھ سے کہ آئینہ میں مرے / طوطی کا عکس سمجھے ہے زنگار دیکھکر

گرنی تھی ہم پہ برقِ تجلی نہ طور پر / دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھکر

سر پھوڑنا

سرپنجهٔ زباده خضابست شوریده حال ایله   بادا که مجنونی دیوار دلگیر

ولـه

لرزان ایچمز ادل رحمت مهر درخشان بر   من موج قطرهٔ شبنم کوه خار بیابان بر

بخشودی حضرت یوسف نهانی خانه آرای   سپید دیدهٔ یعقوبک بهر زلیخی زندان بر

فنا تعلیم درس نحو مجنون اولسن زمانه   که مجنون لام الف کلفت تعب دلبرار دلستان بر

فراغت کسب قدر همتی محجوبی تزویر نحس   بهم گر صلح کرسه بارهای دل نمکدان بر

نهین اقلیم الفت بزم کوی طوبار باز الب   که افت جشنی جسک نیم روی شهر عنوان بر

مجیب دیکر ابر شفق آلوده باد آیا   که فرقت من بغیر آتش برشتنگی گلستان بر

بجز بر دار شوق نازک باغچه ره هوگا   قیامت ایک هوای تندی خاک شهیدان بر

نه ترنا صبح سبحی غنا ایسه کیم اگر آزاد نفس بند گه   هما رابی نوا آخر زور چلتا چچه اجان بر

ولـه

صفای حیرت آیینهٔ سامان رنگ آخر   تغیر آب هر جا مانده کاپاتاهی رنگ آخر

تکلی سامان عیش بر جانه بی ندبیر و جنت گه   هواجاتم زمرد دهنی مجیج داغ پلنگ آخر

ولـه

جنون کی دستگیر کسی هوزار بو بو بانه   گریبان چاک چاکی هوگیاهی سر گردن بر

هر رنگ کاغذ آتش زده نشر رنگ نشانه‌لی   هرار آیینهٔ دل باندهی بال ایک غنچه بر

فلک سے ہم کو عیش رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے — متاع بردہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرض رہزن پر
ہم اور وہ بے سبب رنج آشنا دشمن کہ رکھتا ہے — شعاع مہر سے تہمت نگہ کی چشم روزن پر
فنا کو سونپ گر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا — فروغ طالع خاشاک ہے موقوف گلخن پر
اسد بسمل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا ہے — کہ مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

ولہ

ستمکش مصلحت سے ہوں کہ خوباں تجھ پہ عاشق ہیں — تکلف بر طرف مل جائے گا تجھ سا رقیب آخر

ولہ

فارغ مجھے نہ جان کہ مانند صبح و مہر — ہے داغ عشق زینت جیب کفن ہنوز
ہے ناز مفلساں زر از دست رفتہ پر — ہوں گل فروش شوخی داغ کہن ہنوز
میخانۂ جگر میں یہاں خاک بھی نہیں — خمیازہ کھینچے ہے بت بیداد فن ہنوز

ولہ

حریف مطلب مشکل نہیں فسون نیاز — دعا قبول ہو یا رب کہ عمر خضر دراز
نہ ہو بہرزہ بیاباں نورد وہم وجود — ہنوز تیرے تصور میں ہے نشیب و فراز
وصال جلوہ تماشا ہے پر دماغ کہاں — کہ دیجے آئینۂ انتظار کو پرواز
ہر ایک ذرۂ عاشق ہے آفتاب پرست — گئی نہ خاک ہوئے پر ہوائے جلوۂ ناز
نہ پوچھ وسعت میخانۂ جنوں غالب — جہاں یہ کاسۂ گردوں ہے ایک خاک انداز

نہ گلِ نغمہ ہوں نہ پردۂ ساز ‏ — ‏ میں ہوں اپنی شکست کی آواز

تو اور آرائشِ خمِ کاکل ‏ — ‏ میں اور اندیشہ ہائے دور دراز

لافِ تمکیں فریبِ سادہ دلی ‏ — ‏ ہم ہیں اور راز ہائے سینہ گداز

ہوں گرفتارِ الفتِ صیاد ‏ — ‏ ورنہ باقی ہے طاقتِ پرواز

وہ بھی دن ہو کہ اس ستمگر سے ‏ — ‏ ناز کھینچوں بجائے حسرتِ ناز

نہیں دل میں مرے وہ قطرۂ خوں ‏ — ‏ جس سے مژگاں ہوئی نہ ہو گلباز

اے ترا غمزہ یک قلم انگیز ‏ — ‏ اے ترا ظلم سر بسر انداز

تو ہوا جلوہ گر مبارک ہو ‏ — ‏ ریزشِ سجدۂ جبینِ نیاز

مجھ کو پوچھا تو کچھ غضب نہ ہوا ‏ — ‏ میں غریب اور تو غریب نواز

اسد اللہ خاں تمام ہوا ‏ — ‏ اے دریغا وہ رندِ شاہد باز

ردیف السین

مژدہ اے ذوقِ اسیری کہ نظر آتا ہے ‏ — ‏ دامِ خالی قفسِ مرغِ گرفتار کے پاس

جگرِ تشنۂ آزار تسلی نہ ہوا ‏ — ‏ جوئے خوں ہم نے بہائی بنِ ہر خار کے پاس

مند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں ہے ہے ‏ — ‏ خوب وقت آئے تم اس عاشقِ بیمار کے پاس

میں بھی رک رک کے نہ مرتا جو زباں کے بدلے ‏ — ‏ دشنہ اک تیز سا ہوتا مرے غمخوار کے پاس

دیں شہر میں جا بجا بھی کتنی ابدال
نکھری ہر جگہ خوبان دل آزار کی پاس

دیکھکر تجکو چمن بسکہ نمو کرتا ہی
خود بخود پہنچی ہی گل گوشۂ دستار کی پاس

مر گیا پھوڑ کی سر غالب وحشی ہی ہی
بیٹھنا اوسکا وہ آ کر تری دیوار کی پاس

ردیف الشین

نہ لیوی گر خس جوہر طراوت سبزۂ خط سی
لگا دی خانۂ آئینہ میں روی نگار آتش

فروغ حسن سی ہوتی ہی حل مشکل عاشق
نہ نکلی شمع کی پا سی نکالی گر نہ خار آتش

ردیف الغین

جادۂ رہ خور کو وقت شام ہی تار شعاع
چرخ وا کرتا ہی ماہ نو سی آغوش وداع

ولہ

رخ نگار سی ہی سوز جاودانی شمع
ہوئی ہی آتش گل آب زندگانی شمع

زبان اہل زباں میں ہی مرگ خاموشی
یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانی شمع

کری ہی صرف بایمای شعلہ قصہ تمام
بطرز اہل فنا ہی فسانہ خوانی شمع

غم اوسکو حسرت پروانہ کا ہی ای شعلہ
تری لرزنی سی ظاہر ہی ناتوانی شمع

تری خیال

ترے خیال سے روح اہتزاز کرتی ہے — بہ جلوہ ریزی باد و بہ پرفشانی شمع
نشاط داغ غم عشق کی بہار نہ پوچھ — شگفتگی ہے شہید گل خزانی شمع
جلے ہے دیکھکے بالین یار پر مجھکو — اسد ہے دل پہ مرے داغ بدگمانی شمع

ردیف الفا

بیم رقیب سے نہیں کرتے وداع ہوش — مجبور یاں تلک ہوئے اے اختیار حیف
جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم اکبار جل گئے — اے ناتمامی نفس شعلہ بار حیف

ردیف الکاف

زخم پر چھڑکیں کہاں طفلان بے پروا نمک — کیا مزہ ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا نمک
گرد راہ یار ہے سامان ناز زخم دل — ورنہ ہوتا ہے جہاں میں کسقدر پیدا نمک
مجھکو ارزانی رہے تجھکو مبارک ہو جیو — نالۂ بلبل کا درد اور خندۂ گل کا نمک
شور جولاں تھا کنار بحر پر کسکا کہ آج — گرد ساحل ہے بہ زخم موجۂ دریا نمک
داد دیتا ہے مرے زخم جگر کی واہ واہ — یاد کرتا ہے مجھے دیکھے ہے وہ جس جا نمک
چھوڑ کر جانا تن مجروح عاشق حیف ہے — دل طلب کرتا ہے زخم اور مانگے ہیں اعضا نمک
غیر کی منت نہ کھینچوں گا پئے توفیر درد — زخم مثل خندۂ قاتل ہے سراپا نمک
یاد ہیں غالب تجھے وہ دن کہ وجد ذوق میں — زخم سے گرتا تو میں پلکوں سے چنتا تھا نمک

ونہ

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک / کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک
دام ہر موج میں ہے حلقۂ صد کام نہنگ / دیکھیں کیا گذرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک
عاشقی صبر طلب اور تمنا بیتاب / دل کا کیا رنگ کروں خون جگر ہونے تک
ہم نے مانا کہ تغافل نہ کروگے لیکن / خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک
پرتو خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم / میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک
یک نظر بیش نہیں فرصت ہستی غافل / گرمی بزم ہے اک رقص شرر ہونے تک
غم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج / شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

ردیف الکاف

گر تجھ کو ہے یقین اجابت دعا نہ مانگ / یعنی بغیر یک دل بے مدعا نہ مانگ
آتا ہے داغ حسرت دل کا شمار یاد / مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ

ردیف اللام

ہے کس قدر ہلاک فریب وفائے گل / بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل
آزادی نسیم مبارک کہ ہر طرف / ٹوٹے پڑے ہیں حلقۂ دام ہوائے گل
جو تھا سو موج رنگ کے دھوکے میں مر گیا / اے وائے نالۂ لب خونیں نوائے گل
خوش حال اس حریف سیہ مست کا کہ جو / رکھتا ہو مثل سایۂ گل سر بپائے گل

ایجاد کرتی ہے اسے تیرے لیے بہار
میرا رقیب ہے نفسِ عطر سائے گل

شرمندہ رکھتے ہیں مجھے بادِ بہار سے
مینائے بے شراب و دلِ بے ہوائے گل

سطوت سے تیرے جلوۂ حسنِ غیور کے
خوں ہے مری نگاہ میں رنگِ ادائے گل

تیرے ہی جلوے کا ہے یہ دھوکا کہ آج تک
بے اختیار دوڑے ہے گل در قفائے گل

غالب مجھے ہے اس سے ہم آغوشی آرزو
جس کا خیال ہے گلِ جیبِ قبائے گل

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس
برق سے کرتے ہیں روشن شمعِ ماتم خانہ ہم

محفلیں برہم کرے ہے گنجفہ بازِ خیال
ہیں ورق گردانیِ نیرنگِ یک بتخانہ ہم

باوجودِ یک جہاں ہنگامہ پیدائی نہیں
ہیں چراغانِ شبستانِ دلِ پروانہ ہم

ضعف سے ہے نے قناعت سے یہ ترکِ جستجو
ہیں وبالِ تکیہ گاہِ ہمتِ مردانہ ہم

دائم الحبس اس میں ہیں لاکھوں تمنائیں اسد
جانتے ہیں سینۂ پرخوں کو زنداں خانہ ہم

ردیف المیم

بہ نالہ حاصلِ دل بستگی فراہم کر
متاعِ خانۂ زنجیر جز صدا معلوم

مجھ کو دیارِ غیر میں مارا وطن سے دور
رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم

وہ حلقہ ہائے زلف کمیں میں ہیں اے خدا
رکھ لیجو میرے دعوئ وارستگی کی شرم

ہوں دام بخت خفتہ سے ایک خواب خوش ولے وله غالب یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں

وله

وہ فراق اور وہ وصال کہاں — وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں
فرصت کاروبار شوق کسے — ذوق نظارۂ جمال کہاں
دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا — شور سودائے خط و خال کہاں
تھی وہ ایک شخص کے تصور سے — اب وہ رعنائی خیال کہاں
اب آسان نہیں لہو رونا — دل میں طاقت جگر میں حال کہاں
ہم سے چھوٹا قمار خانۂ عشق — وہاں جو جاویں گرہ میں مال کہاں
فکر دنیا میں سر کھپاتا ہوں — میں کہاں اور یہ وبال کہاں
مضمحل ہو گئے قویٰ غالب — وہ عناصر میں اعتدال کہاں

وله

آبرو کیا خاک اس گل کی کہ گلشن میں نہیں — ہے گریباں ننگ پیراہن جو دامن میں نہیں
ضعف سے اے گریہ کچھ باقی مرے تن میں نہیں — رنگ ہو کر اڑ گیا جو خوں کہ دامن میں نہیں
ہو گئے ہیں جمع اجزائے نگاہ آفتاب — ذرے اس کے گھر کی دیواروں کے روزن میں نہیں
کیا کہوں تاریکی زندان غم اندھیر ہے — پنبہ نور صبح سے کم جس کے روزن میں نہیں

رونقِ ہستی ہے عشقِ خانہ ویراں ساز سے
انجمن بے شمع ہے گر برق خرمن میں نہیں

زخم سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن
غیر سمجھا ہے کہ لذت زخمِ سوزن میں نہیں

بسکہ ہیں ہم اک بہارِ ناز کے مارے ہوئے
جلوۂ گل کے سوا گرد اپنے مدفن میں نہیں

قطرہ قطرہ اک ہیولیٰ ہے نئے ناسور کا
خوں بھی ذوقِ درد سے فارغ مرے تن میں نہیں

ہوں نثارِ ضعف میں کیا ناتوانی کی نمو
قد کے جھکنے کی بھی گنجائش مرے تن میں نہیں

لے گئی ساقی کی نخوت قلزم آشامی مری
موجِ مے کی آج رگ مینا کی گردن میں نہیں

تھی وطن میں شان کیا غالبؔ کہ ہو غربت میں قدر
بے تکلف ہوں وہ مشتِ خس کہ گلخن میں نہیں

ولہ

عہدے سے مدحِ ناز کے باہر نہ آ سکا
گر اک ادا ہو تو اسے اپنی قضا کہوں

حلقے ہیں چشمہائے کشادہ بسوئے دل
ہر تارِ زلف کو نگہِ سرمہ سا کہوں

میں اور صد ہزار نوائے جگر خراش
تو اور ایک وہ نہ شنیدن کہ کیا کہوں

ظالم مرے گماں سے مجھے منفعل نہ چاہ
ہے ہے خدا نکردہ تجھے بے وفا کہوں

ولہ

ہم سے کھل جاؤ بوقتِ مے پرستی ایک دن
ورنہ ہم چھیڑیں گے رکھ کر عذرِ مستی ایک دن

غرۂ اوجِ بنائے عالمِ امکاں نہ ہو
اس بلندی کے نصیبوں میں ہے پستی ایک دن

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لاوے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

نغمہ ہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیے
بے صدا ہو جائے گا یہ ساز ہستی ایک دن

دھول دھپا اس سراپا ناز کا شیوہ نہیں
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایک دن

د ۔

مہرباں ہو کے بلا لو مجھے چاہو جس وقت
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں

ضعف میں طعنۂ اغیار کا شکوہ کیا ہے
بات کچھ سر تو نہیں ہے کہ اٹھا بھی نہ سکوں

زہر ملتا ہی نہیں مجھ کو ستمگر ورنہ
کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکوں

د ۔

مانع دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں
ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں

شوق اس دشت میں دوڑائے ہے مجھ کو کہ جہاں
جادہ غیر از نگہ دیدۂ تصویر نہیں

حسرت لذت آزار رہی جاتی ہے
جادۂ راہ وفا جز دم شمشیر نہیں

رنج نومیدی جاوید گوارا رہیو
خوش ہوں گر نالہ زبونی کش تاثیر نہیں

سر کھجاتا ہے جہاں زخم سر اچھا ہو جائے
لذت سنگ باندازۂ تقریر نہیں

جب کرم رخصت بیباکی و گستاخی دے
کوئی تقصیر بجز خجلت تقصیر نہیں

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

خلیق ٹونکی

عشق تاثیر سے نومید نہیں
جاں سپاری شجرِ بید نہیں

سلطنت دست بدست آئی ہے
جامِ مے خاتمِ جمشید نہیں

ہے تجلی تری سامانِ وجود
ذرّہ بے پرتوِ خورشید نہیں

رازِ معشوق نہ رسوا ہو جائے
ورنہ مر جانے میں کچھ بھید نہیں

گردشِ رنگِ طرب سے ڈر ہے
غمِ محرومیِ جاوید نہیں

کہتے ہیں جیتے ہیں امید پہ لوگ
ہم کو جینے کی بھی امید نہیں

ولہ

ہر بکسالِ گریۂ عاشق ہے دیکھا چاہیے
کھل گئی مانندِ گل سو جا سے دیوارِ چمن

الفتِ گل سے غلط ہے دعویِ وارستگی
سرو ہے با وصفِ آزادی گرفتارِ چمن

ولہ

مت مردمکِ دیدہ میں سمجھو یہ نگاہیں
ولہ ہیں جمع سویدائے دلِ چشم میں آہیں

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
ولہ خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

دل آشفتگاں خالِ کنجِ دہن کے
سویدا میں سیرِ عدم دیکھتے ہیں

ترے سروِ قامت سے اک قدِ آدم
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں

تماشا کہ اے محوِ آئینہ داری
تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں

سراغِ تفِ نالہ لے داغِ دل سے — کہ شب رو کا نقشِ قدم دیکھتے ہیں

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب — تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

ولہ

ذکر مرا بہ بدی بھی اوسے منظور نہیں — غیر کی بات بگڑ جاوے تو کچھ دور نہیں

وعدۂ سیرِ گلستاں ہے خوشا طالعِ شوق — مژدۂ قتل مقدر ہے جو مذکور نہیں

شاہدِ ہستیِ مطلق کی کمر ہے عالم — لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں منظور نہیں

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن — ہم کو تقلیدِ تنک ظرفیِ منصور نہیں

حسرت اے ذوقِ خرابی کہ وہ طاقت نہ رہی — عشقِ پر عربدہ کی گوں تنِ رنجور نہیں

میں جو کہتا ہوں کہ ہم لیں گے قیامت میں تمہیں — کس رعونت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم حور نہیں

ظلم کر ظلم اگر لطف دریغ آتا ہو — تو تغافل میں کسی رنگ سے معذور نہیں

صاف دُردی کشِ پیمانۂ جم ہیں ہم لوگ — وائے وہ بادہ کہ افشردۂ انگور نہیں

ہوں ظہوری کے مقابل میں خفائی غالب — میرے دعوے پہ یہ حجت ہے کہ مشہور نہیں

ولہ

نالہ جز حسنِ طلب اے ستم ایجاد نہیں — ہے تقاضائے جفا شکوۂ بیداد نہیں

عشق و مزدوریِ عشرت گہِ خسرو کیا خوب — ہم کو تسلیم نکونامیِ فرہاد نہیں

کم نہیں وہ بھی خرابی میں پہ وسعت معلوم — دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھر یاد نہیں

اہلِ بینش کو ہے طوفانِ حوادث مکتب — لطمۂ موج کم از سیلیِ استاد نہیں

اے

رنگ تمکین گل و لالہ پریشاں کیوں ہے   گر چراغان سر رہگذر باد نہیں

وای محرومی تسلیم و بدا حال وفا   جانتا ہے کہ ہمیں طاقت فریاد نہیں

سبد گل کے تلی بند کرے ہے گلچیں   مژدہ ای مرغ کہ گلزار میں صیاد نہیں

نفی سے کرتی ہے اثبات تراوش گویا   دی ہے جای دہن اوسکو دم ایجاد نہیں

کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچے سے بہشت   یہی نقشہ ہے ولے اسقدر آباد نہیں

کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب   تمکو بے مہری یاران وطن یاد نہیں

ولہ

قیامت ہے کہ سن لیلیٰ کا دشت قیس میں آنا   تعجب سے وہ بولا یوں بھی ہوتا ہے زمانے میں

دل نازک پہ اوسکی رحم آتا ہے مجھے غالب   نکر سرگرم اوس کافر کو الفت آزمانے میں

ولہ

دل لگا کر لگ گیا اونکو بھی تنہا بیٹھنا   بارے اپنی بیکسی کی ہمنے پائی داد یاں

ہیں زوال آمادہ اجزا آفرینش کی تمام   مہر گردوں ہے چراغ رہگذار باد یاں

ولہ

ہو گئی ہے غیر کی شیریں بیانی کارگر   عشق کا اوسکو گماں ہم بے زبانوں پر نہیں

ولہ

تیرے توسن کو صبا باندھتے ہیں   ہم بھی مضموں کی ہوا باندھتے ہیں

آہ کا کسنے اثر دیکھا ہے   ہم بھی ایک اپنی ہوا باندھتے ہیں

تیری فرصت کے مقابل ای عمر   برق کو پا بحنا باندھتے ہیں

قید ہستی سے رہائی معلوم   اشک کو بے سر و پا باندھتے ہیں

نشۂ رنگ سے ہے واشدِ گل / مست کب بندِ قبا باندھتے ہیں
غلطی ہائے مضامیں مت پوچھ / لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں
اہلِ تدبیر کی وا ماندگیاں / آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں
سادہ پرکار ہیں خوباں کہ اسد / ہم سے پیمانِ وفا باندھتے ہیں
زمانہ سخت کم آزار ہے بجانِ اسد / وگرنہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے ہیں

دیوانگی سے دوش پہ زنار بھی نہیں / یعنی ہمارے جیب میں اک تار بھی نہیں
دل کو نیازِ حسرتِ دیدار کر چکے / دیکھا تو ہم میں طاقتِ دیدار بھی نہیں
ملنا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے / دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں
بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے اور یاں / طاقت بقدرِ لذتِ آزار بھی نہیں
شوریدگی کے ہاتھ سے ہے سر وبالِ دوش / صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں
گنجائشِ عداوتِ اغیار اک طرف / یہاں دل میں ضعف سے ہوسِ یار بھی نہیں
ڈر نالہ ہائے زار سے میرے خدا کو مان / آخر نوائے مرغِ گرفتار بھی نہیں
دل میں ہے یار کی صفِ مژگاں سے روکشی / حالانکہ طاقتِ خلشِ خار بھی نہیں
اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا / لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں
دیکھا اسد کو خلوت و جلوت میں بارہا / دیوانہ گر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں

[illegible]

یہ جو ہم ہجر میں دیوار و در کو دیکھتے ہیں
کبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

نظر لگے نہ کہیں اس کے دست و بازو کو
یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں

ترے جواہرِ طرفِ کلہ کو کیا دیکھیں
ہم اوجِ طالعِ لعل و گہر کو دیکھتے ہیں

نہیں ہے زخم کوئی بخیہ کے درخور مرے تن میں
ہوا ہے تارِ اشکِ یاس رشتہ چشمِ سوزن میں

ہوئی ہے مانعِ ذوقِ تماشا خانہ ویرانی
کفِ سیلاب باقی ہے برنگِ پنبہ روزن میں

ودیعت خانۂ بیدادِ کاوش ہائے مژگاں ہوں
نگینِ نامِ شاہد ہے مرا ہر قطرہ خوں تن میں

بیاں کس سے ہو ظلمت گستری میرے شبستاں کی
شبِ مہ ہو جو رکھ دوں پنبہ دیواروں کے روزن میں

نکوہش مانعِ بے ربطیِ شورِ جنوں آئی
ہوا ہے خندۂ احباب بخیہ جیب و دامن میں

ہوئے اس مہر وش کے جلوۂ تمثال کے آگے
پر افشاں جوہر آئینے میں مثلِ ذرہ روزن میں

نہ جانوں نیک ہوں یا بد ہوں پر صحبت مخالف ہے
جو گل ہوں تو ہوں گلخن میں جو خس ہوں تو ہوں گلشن میں

ہزاروں دل دیے جوشِ جنونِ عشق نے مجھ کو
سیہ ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرہ خوں تن میں

اسد زندانیِ تاثیرِ الفت ہائے خوباں ہوں
خمِ دستِ نوازش ہو گیا ہے طوق گردن میں

مزے جہان کے اپنی نظر میں خاک نہیں
سوائے خونِ جگر سو جگر میں خاک نہیں

مگر غبار ہوئے پر ہوا اڑا لے جائے
وگرنہ تاب و تواں بال و پر میں خاک نہیں

یہ کس بہشت شمایل کی آمد آمد ہے — کہ غیر جلوۂ گل رہگذر میں خاک نہیں

بھلا اسے نہ سہی کچھ مجھی کو رحم آتا — اثر مرے نفسِ بے اثر میں خاک نہیں

خیالِ جلوۂ گل سے خراب ہیں میکش — شراب خانہ کے دیوار و در میں خاک نہیں

ہوا ہوں عشق کی غارتگری سے شرمندہ — سوائے حسرتِ تعمیر گھر میں خاک نہیں

ہمارے شعر ہیں اب صرف دل لگی کے اسد — کھلا کہ فائدہ عرضِ ہنر میں خاک نہیں

وله

غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں — بوسہ کو پوچھتا ہوں میں منہ سے مجھے بتا کہ یوں

پرسشِ طرزِ دلبری کیجیے کیا کہ بن کہے — اس کے ہر اک اشارہ سے نکلے ہے یہ ادا کہ یوں

رات کے وقت مے پیے ساتھ رقیب کو لیے — آئے وہ یاں خدا کرے پر نہ کرے خدا کہ یوں

غیر سے رات کیا بنی یہ جو کہا تو دیکھیے — سامنے آن بیٹھنا اور یہ دیکھنا کہ یوں

بزم میں اس کے روبرو کیوں نہ خموش بیٹھیے — اس کی تو خامشی میں بھی ہے یہی مدعا کہ یوں

میں نے کہا کہ بزمِ ناز چاہیے غیر سے تہی — سن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں

مجھ سے کہا جو یار نے جاتے ہیں ہوش کس طرح — دیکھ کے میری بیخودی چلنے لگی ہوا کہ یوں

کب مجھے کوئے یار میں رہنے کی وضع یاد تھی — آئینہ دار بن گئی حیرتِ نقشِ پا کہ یوں

گر ترے دل میں ہو خیال وصل میں شوق کا زوال — موجِ محیطِ آب میں مارے ہے دست و پا کہ یوں

جو یہ کہے کہ ریختہ کیونکہ ہو رشکِ فارسی — گفتۂ غالب ایک بار پڑھ کے اسے سنا کہ یوں

کہل

حبسہ سے دل اگر افسردہ ہے گرم تماشا ہو   ولہ   کہ چشم تنگ شاید کثرت نظارہ سے وا ہو

بقدر حسرت دل چاہیے ذوق معاصی بھی   بھروں یک گوشۂ دامن گر آب ہفت دریا ہو

اگر وہ سرو قد گرم خرام ناز آجاوے   کف ہر خاک گلشن شکل قمری نالہ فرسا ہو

وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو   ولہ   کیجے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو

چھوڑا نہ مجھ میں ضعف نے رنگ اختلاط کا   ہے دل پہ بار نقش محبت ہی کیوں نہ ہو

ہے مجھکو تجھسے تذکرۂ غیر کا گلہ   ہر چند بر سبیل شکایت ہی کیوں نہ ہو

پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں ہر درد کی دوا   یوں ہو تو چارۂ غم الفت ہی کیوں نہ ہو

ڈالا نہ بیکسی نے کسی سے معاملہ   اپنے سے کھینچتا ہوں خجالت ہی کیوں نہ ہو

ہے آدمی بجائے خود اک محشر خیال   ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

ہنگامۂ زبونی ہمت ہے انفعال   حاصل نہ کیجے دہر سے عبرت ہی کیوں نہ ہو

مٹتا ہے فوت فرصت ہستی کا غم کوئی   عمر عزیز صرف عبادت ہی کیوں نہ ہو

وارستگی بہانۂ بیگانگی نہیں   اپنے سے کر نہ غیر سے وحشت ہی کیوں نہ ہو

اوس فتنہ خو کے در سے اب اوٹھتے نہیں اسد   اسمیں ہمارے سر پر قیامت ہی کیوں نہ ہو

دہاں اوسکے ہوں دل ہی زبان میں شکر سرشار   ولہ   یعنی بصد سر ہے آہ کی تاثیر سے نہ ہو

اپنے کو دیکھتا نہیں ذوق ستم تو دیکھ   آئینہ تا کہ دیدۂ نخچیر سے نہ ہو

دی سادگی سے جان پڑوں کوہکن کے پاؤں
ہیہات کیوں نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پاؤں

دھوتا ہوں جب میں پینے کو اس سیم تن کے پاؤں
رکھتا ہے ضد سے کھینچ کے باہر لگن کے پاؤں

بھاگے تھے ہم بہت سو اسی کی سزا ہے یہ
ہو کر اسیر دابتے ہیں راہزن کے پاؤں

مرہم کی جستجو میں پھرا ہوں جو دور دور
تن سے سوا فگار ہیں اس خستہ تن کے پاؤں

اللہ رے ذوق دشت نوردی کہ بعد مرگ
ہلتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پاؤں

ہے جوش گل بہار میں یاں تک کہ ہر طرف
اڑتے ہوئے الجھتے ہیں مرغ چمن کے پاؤں

بیچارہ کتنی دور سے آیا ہے شیخ جی
کعبہ میں کیوں دبائیں نہ ہم برہمن کے پاؤں

شب کو کسو کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں
دکھتے ہیں آج اس بت نازک بدن کے پاؤں

میرے کلام میں کیونکر مزا نہ ہو
پیتا ہوں دھو کے خسرو شیریں سخن کے پاؤں

اور بیٹھے کو نجبر میں غش آتا پیہم ہے ہم کو
صد رہ آہنگ زمیں بوس قدم ہے ہم کو

دل کو میں اور مجھے دل محو وفا رکھتا ہے
کس قدر ذوق گرفتاری ہم ہے ہم کو

ضعف سے نقش پئے مور ہے طوق گردن
تیرے کوچے سے کہاں طاقت رم ہے ہم کو

جان کر کیجے تغافل کہ کچھ امید بھی ہو
یہ نگاہ غلط انداز تو سم ہے ہم کو

رشک ہم طرحی و درد اثر بانگ حزیں
نالۂ مرغ سحر تیغ دو دم ہے ہم کو

سر اڑانے کے جو وعدہ کو مکرر چاہا
ہنس کے بولے کہ ترے سر کی قسم ہے ہم کو

دیکھی نوں ابانا

دلکی خون اپنے کی وجہ ولیکن ناچار
پاس بے رونقیٔ دیدہ اہم ہے ہمکو

تم وہ نازک کہ خموشی کو فغاں کہتے ہو
ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہمکو

لکھنؤ آنے کا باعث نہیں کھلتا یعنی
ہوس سیر و تماشا سو وہ کم ہے ہمکو

مقطع سلسلۂ شوق نہیں ہے یہ شہر
عزم سیر نجف و طوف حرم ہے ہمکو

لیے جاتی ہے کہیں ایک توقع
جادۂ رہ کشش کاف کرم ہے ہمکو

رہیے اب ایسی جگہ چلکر جہاں کوئی نہو
ہم سخن کوئی نہو اور ہمزباں کوئی نہو

بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے
کوئی ہمسایہ نہو اور پاسباں کوئی نہو

پڑیے گر بیمار تو کوئی نہو تیمار دار
اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہو

ہے سبزہ زار ہر در و دیوار غمکدہ
جسکی بہار یہ ہو پھر اوسکی خزاں نہ پوچھ

ناچار بیکسی کی بھی حسرت اوٹھائیے
دشواری رہ و ستم ہمرہاں نہ پوچھ

از مہر تا بذرہ دل و دل ہے آئینہ
طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئینہ

صد جلوہ روبرو ہے جو مژگاں اوٹھائیے
طاقت کہاں کہ دید کا احساں اوٹھائیے

ہے سنگ پر برات معاش جنون عشق
یعنی ہنوز منت طفلاں اوٹھائیے

دیوار بارِ منتِ مزدور سے ہے خم | اے خانماں خراب نہ احساں اٹھائیے
یا میرے زخمِ رشک کو رسوا نہ کیجیے | یا پردۂ تبسمِ پنہاں اٹھائیے

مسجد کے زیرِ سایہ خرابات چاہیے | بھوں پاس آنکھ قبلۂ حاجات چاہیے
عاشق ہوئے ہیں آپ بھی ایک اور شخص پر | آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیے
دے داد اے فلک دلِ حسرت پرست کی | ہاں کچھ نہ کچھ تلافیِ مافات چاہیے
سیکھے ہیں مہ رخوں کے لیے ہم مصوری | تقریب کچھ تو بہرِ ملاقات چاہیے
مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو | اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے
نشو و نما ہے اصل سے فروع کو | خاموشی ہی سے نکلے ہے جو بات چاہیے
ہے رنگِ لالہ و گل و نسریں جدا جدا | ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیے
سر پائے خم پہ چاہیے ہنگامِ بیخودی | رو سوئے قبلہ وقتِ مناجات چاہیے
یعنی بحسبِ گردشِ پیمانۂ صفات | عارف ہمیشہ مستِ مئے ذات چاہیے

بساطِ عجز میں تھا ایک دل یک قطرہ خوں وہ بھی | سو رہتا ہے بانداز چکیدن سرنگوں وہ بھی
رہے اس شوخ سے آزردہ ہم چندے تکلف سے | تکلف برطرف تھا ایک اندازِ جنوں وہ بھی
خیالِ مرگ کب تسکیں دلِ آزردہ کو بخشے | مرے دامِ تمنا میں ہے اک صیدِ زبوں وہ بھی
نہ کرتا کاش نالہ مجھ کو کیا معلوم تھا ہمدم | کہ ہوگا باعثِ افزائشِ دردِ دروں وہ بھی

مجھے ام منانی

ہے بزم بتاں میں سخن آزردہ لبوں سے
تنگ آئی ہیں ہم ایسے خوشامد طلبوں سے

ہے دور قدح وجہ پریشانی صہبا
یک بار لگا دو خم مے میرے لبوں سے

رندان در میکدہ گستاخ ہیں زاہد
زنہار نہ ہونا طرف اون بے ادبوں سے

بیداد وفا دیکھ کہ جاتی رہی آخر
ہر چند مری جانکو تھا ربط لبوں سے

تا ہمکو شکایت کی بھی باقی نرہے جا
سن لیتے ہیں گو ذکر ہمارا نہیں کرتے

تیرا احوال سنا دینگے ہم اونکو
وہ سنکے بلا لیں یہہ اجارہ نہیں کرتے

غم دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اوٹھانیکی
فلک کا دیکھنا تقریب تیری یاد آنیکی

کھلیگا کسطرح مضموں مری مکتوب کا یارب
قسم کھائی ہے اوس کافر نے کاغذ کے جلانیکی

لپٹنا پرنیاں میں شعلۂ آتش کا آساں ہے
ولے مشکل ہے حکمت دل میں سوز غم چھپانیکی

اونہیں منظور اپنے زخمیوں کا دیکھ آنا تھا
اوٹھے تھے سیر گلکو دیکھنا شوخی بہانیکی

ہماری سادگی تھی التفات ناز پر مرنا
تیرا آنا نہ تھا ظالم مگر تمہید جانیکی

لکدکوب حوادث کا تحمل کر نہیں سکتی
مری طاقت کہ ضامن تھی بتوں کی ناز اوٹھانیکی

کہیں کس خوبی اوضاع ابنای زماں
بدی کی اونے جس سے ہمنے کی تھی بارہا نیکی

ہے جملہ سے ہاتھ دھو بیٹھ ای آرزو خرامی
دل جوش گریہ میں ہے ڈوبی ہوئی اسامی

اوس شمع کیطرح سے جسکو کوئی بجھا دے
میں بھی جلے ہوؤں میں ہوں داغ ناتمامی

کیا تنگ ہم ستم زدگاں کا جہان ہے ۔ جسمیں کہ ایک بیضۂ مور آسمان ہے
ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے ۔ پرتو سے آفتاب کے ذرہ میں جان ہے
حالانکہ ہے یہ سیلیِ خارا سے لالہ رنگ ۔ غافل کو میرے شیشہ پہ مے کا گمان ہے
کی اوس نے گرم سینۂ اہل ہوس میں جا ۔ آوے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے
کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا ۔ بس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے
بیٹھا ہے جو کہ سایۂ دیوار یار میں ۔ فرماں روای کشور ہندوستان ہے
ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا ۔ کس سے کہوں کہ داغ جگر کا نشان ہے
ہے بارے اعتماد وفاداری اسقدر ۔ ہم اسمیں خوش ہیں کہ نامہربان ہے

سرگشتگی میں عالم ہستی سے یاس ہے ۔ تسکیں کو دی نوید کہ مرنے کی آس ہے
لیتا نہیں مرے دل آوارہ کی خبر ۔ اب تک وہ جانتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے
کیجے بیاں سرور تب غم کہاں تلک ۔ ہر مو مرے بدن میں زبان سپاس ہے
ہے وہ غرور حسن سے بیگانۂ وفا ۔ ہر چند اوسکے پاس دل حق شناس ہے
پی جسقدر ملے شب مہتاب میں شراب ۔ اس بلغمی مزاج کو گرمی ہی راس ہے
ہر ایک مکان کو ہے مکیں سے شرف ۔ مجنوں جو مرگیا ہے تو جنگل اوداس ہے
گر خامشی سے فایدہ اخفای حال ہے ۔ خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے

کس کو سناؤں حسرتِ اظہار کا گلہ
دل فردِ جمع و خرچِ زباں ہائے لال ہے

کس پردے میں ہے آئینہ پرداز اے خدا
رحمت کہ عذر خواہ لبِ بے سوال ہے

ہے ہے خدا نخواستہ وہ اور دشمنی
اے شوقِ منفعل یہ تجھے کیا خیال ہے

مشکیں لباسِ کعبہ علی کے قدم سے جان
نافِ زمین ہے نہ کہ نافِ غزال ہے

وحشت پہ میری عرصۂ آفاق تنگ ہے
دریا زمین کو عرقِ انفعال ہے

ہستی کے مت فریب میں آ جائیو اسد
عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

اک جا حرفِ وفا لکھا تھا سو بھی مٹ گیا
ظاہرا کاغذ ترے خط کا غلط بردار ہے

جی جلے ذوقِ فنا کی ناتمامی پر نہ کیوں
ہم نہیں جلتے نفس ہر چند آتش بار ہے

آگ سے پانی میں بجھتے وقت اٹھتی ہے صدا
ہر کوئی درماندگی میں نالے سے ناچار ہے

ہے وہی بدمستیِ ہر ذرہ کا خود عذر خواہ
جس کے جلوے سے زمیں تا آسماں سرشار ہے

مجھ سے مت کہہ تو ہمیں کہتا تھا اپنی زندگی
زندگی سے بھی مرا جی ان دنوں بیزار ہے

آنکھ کی تصویر سرنامے پہ کھینچی ہے کہ تا
تجھ پہ کھل جاوے کہ اس کو حسرتِ دیدار ہے

مری ہستی فضائے حیرت آبادِ تمنا ہے
جسے کہتے ہیں نالہ وہ اسی عالم کا عنقا ہے

خزاں کیا فصلِ گل کہتے ہیں کس کو کوئی موسم ہو
وہی ہم ہیں قفس ہے اور ماتم بال و پر کا ہے

وفائے دلبراں ہے اتفاقی ورنہ اے ہمدم
اثر فریادِ دلہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے

نہ لائی شوخی اندیشہ تاب رنج نومیدی
کف افسوس ملنا عہد تجدید تمنا ہے

عشق مجھکو نہیں وحشت ہی سہی
میری وحشت تری شہرت ہی سہی

قطع کیجے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی
اے وہ مجلس نہیں خلوت ہی سہی

ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے
غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی

اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو
آگہی گر نہیں غفلت ہی سہی

عمر ہر چند کہ ہے برق خرام
دل کے خوں کرنے کی فرصت ہی سہی

کچھ تو دے اے فلک نا انصاف
آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
بے نیازی تری عادت ہی سہی

ہم کوئی ترک وفا کرتے ہیں
نہ سہی عشق مصیبت ہی سہی

یار سے چھیڑ چلی جائے اسد
گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

ہستی میں گذرتے ہیں جو کوچے سے وہ میرے
کندھا بھی کہاروں کو بدلنے نہیں دیتے

ہے آرمیدگی میں نکوہش بجا مجھے
صبح وطن ہے خندۂ دنداں نما مجھے

ڈھونڈھے ہے اوس مغنی آتش نفس کو جی
جسکی صدا ہو جلوۂ برق فنا مجھے

[illegible]

مستانہ طے کروں ہوں رہِ وادیِ خیال
تا باز گشت سے نہ رہے مدعا مجھے

کرتا ہے بسکہ باغ میں تو بے حجابیاں
آنے لگی ہے نکہتِ گل سے حیا مجھے

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

رفتارِ عمر قطعِ رہِ اضطراب ہے
اس سال کے حساب کو برق آفتاب ہے

مینائے مے ہے سروِ نشاطِ بہار سے
بالِ تدرو جلوۂ موجِ شراب ہے

جادادِ بادہ نوشیِ رنداں ہے شش جہت
غافل گماں کرے ہے کہ خراب ہے

زخمی ہوا ہے پاشنہ پائے ثبات کا
جوشِ بہار جلوہ کو جس کے نقاب ہے

نے بھاگنے کی گوں نہ اقامت کی تاب ہے
نظارہ کیا حریف ہو اس برقِ حسن کا

میں نامراد دل کی تسلی کو کیا کروں
مانا کہ تیرے رخ سے نگہ کامیاب ہے

گزرا اسد مسرتِ پیغامِ یار سے
قاصد پہ مجھ کو رشکِ سوال و جواب ہے

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے
میں اسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

ہاتھ دھو دل سے یہی گرمی گر اندیشے میں ہے
آبگینہ تندیِ صہبا سے پگھلا جائے ہے

غیر کو یارب وہ کیونکر منعِ گستاخی کرے
گر حیا بھی اس کو آتی ہے تو شرما جائے ہے

شوق کو یہ لت کہ ہر دم نالہ کھینچے جائیے
دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جائے ہے

دور چشمِ بد تری بزمِ طرب سے واہ واہ
نغمہ ہو جاتا ہے واں گر نالہ میرا جائے ہے

گرچہ ہے طرزِ تغافل پردہ دارِ رازِ عشق
پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے

اوسکی بزم آرائیاں سنکر دلِ رنجور یاں
مثلِ نقشِ مدعائے غیر بیٹھا جائے ہے

ہو کے عاشق وہ پری رخ اور نازک بن گیا
رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اوڑتا جائے ہے

نقش کو اوسکے مصور پر بھی کیا کیا ناز ہے
کھینچتا ہے جسقدر اوتنا ہی کھنچتا جائے ہے

سایہ میرا مجھسے مثلِ دود بھاگے ہے اسد
پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے

گرمِ فریاد رکھا شکلِ نہالی نے مجھے
تب اماں ہجر میں دی بردِ لیالی نے مجھے

نسیہ و نقدِ دو عالم کی حقیقت معلوم
لے لیا مجھسے مری ہمتِ عالی نے مجھے

کثرت آرائیِ وحدت ہے پرستاریِ وہم
کر دیا کافر ان اصنامِ خیالی نے مجھے

ہوسِ گل کے تصور میں بھی کھٹکا نہ رہا
عجب آرام دیا بے پر و بالی نے مجھے

کارگاہِ ہستی میں لالہ داغ ساماں ہے
برقِ خرمنِ راحت خونِ گرمِ دہقاں ہے

غنچہ تا شگفتن ہا برگِ عافیت معلوم
باوجودِ دل جمعی خوابِ گل پریشاں ہے

ہم سے رنجِ بیتابی کسطرح اوٹھایا جائے
داغِ پشتِ دستِ عجز شعلہ خس بدنداں ہے

اوگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ
ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

سادگی پر اوسکی مر جانے کی حسرت دل میں ہے
بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کفِ قاتل میں ہے

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اوسنے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

گرچہ ہی کس کس برائی سے ولے با ایں ہمہ
ذکر مرا مجھ سے بہتر ہے کہ اوس محفل میں ہے

بس ہجوم ناامیدی خاک میں مل جائیگی
جو کہ اک لذت ہماری سعی بیحاصل میں ہے

رنج رہ کیوں کھینچیے واماندگی کو عشق ہے
اوٹھ نہیں سکتا ہمارا جو قدم منزل میں ہے

جلوہ زار آتش دوزخ ہمارا دل سہی
فتنۂ شور قیامت کس کے آب و گل میں ہے

ہے دل شوریدۂ غالب طلسم پیچ و تاب
رحم کر اپنی تمنا پر کہ کس مشکل میں ہے

دل سے تری نگاہ جگر تک اوتر گئی
دونوں کو اک ادا میں رضامند کر گئی

شق ہو گیا ہے سینہ خوشا لذت فراغ
تکلیف پردہ داری زخم جگر گئی

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں
اوٹھیے بس اب کہ لذت خواب سحر گئی

اوڑتی پھرے ہے خاک مری کوی یار میں
بارے اب اے ہوا ہوس بال و پر گئی

دیکھو تو دلفریبی انداز نقش پا
موج خرام یار بھی کیا گل کتر گئی

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروی شیوۂ اہل نظر گئی

نظارے نے بھی کام کیا واں نقاب کا
مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی

فردا و دی کا تفرقہ یکبار مٹ گیا
کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گذر گئی

مارا زمانہ نے ... تمہیں
وہ ولولے کہاں وہ جوانی کدھر گئی

پھر کچھ اک دل کو بیقراری ہے
سینہ جویای زخم کاری ہے

پھر جگر کھودنے لگا ناخن — آمدِ فصلِ لالہ کاری ہے

قبلۂ مقصدِ نگاہِ نیاز — پھر وہی پردۂ عماری ہے

چشم دلالِ جنسِ رسوائی — دل خریدارِ ذوقِ خواری ہے

وہی صد رنگ نالہ فرسائی — وہی صد گونہ اشکباری ہے

دل ہوائے خرامِ ناز سے پھر — محشرستانِ بیقراری ہے

جلوہ پھر عرضِ ناز کرتا ہے — روزِ بازارِ جاں سپاری ہے

پھر اسی بے وفا پہ مرتے ہیں — پھر وہی زندگی ہماری ہے

پھر کھلا ہے درِ عدالتِ ناز — گرم بازارِ فوجداری ہے

ہو رہا ہے جہان میں اندھیر — زلف کی پھر سرشتہ داری ہے

پھر دیا پارۂ جگر نے سوال — ایک فریاد و آہ و زاری ہے

پھر ہوئے ہیں گواہِ عشق طلب — اشکباری کا حکم جاری ہے

دل و مژگاں کا جو مقدمہ تھا — آج پھر اس کی روبکاری ہے

بیخودی بے سبب نہیں غالب — کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

ولہ

خونِ ہمت کشتنِ تسکیں نہ ہو گو شادمانی کی — نمک پاشِ خراشِ دل ہی لذت زندگانی کی

اگر نہ

غزل کی کس نے ہائے سینے سے اس کا سوا آزادی — ہوئی زنجیرِ موجِ آب کو فرصت روانی کی
پس از مردن بھی دیوانہ زیارت گاہِ طفلاں ہے — شرارِ سنگ نے تربت پہ میری گل فشانی کی

غزل نکوہش ہے سزا فریادیِ بیدادِ دلبر کی — مبادا خندۂ دنداں نما ہو صبحِ محشر کی
رگِ لیلیٰ کو خاکِ دشتِ مجنوں ریشگی بخشے — اگر بو دے بجائے دانہ دہقاں نوک نشتر کی
پرِ پروانہ شاید بادبانِ کشتیِ مے تھا — ہوئی مجلس کی گرمی سے روانی دورِ ساغر کی
کروں بیدادِ ذوقِ پرفشانی عرض کیا قدرت — کہ طاقت اڑ گئی اڑنے سے پہلے میرے شہپر کی
کہاں تک روؤں اس کے خیمے کے پیچھے قیامت ہے — مری قسمت میں یا رب کیا نہ تھی دیوار پتھر کی

غزل بے اعتدالیوں سے سبک سب میں ہم ہوئے — جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے
پنہاں تھا دام سخت قریب آشیان کے — اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے
ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے — یاں تک مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے
سختی کشانِ عشق کی پوچھے ہے کیا خبر — وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوئے
تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر میں — تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے
لکھتے رہے جنوں کی حکایاتِ خونچکاں — ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے
اللہ رے تیری تندیِ خو جس کے بیم سے — اجزائے نالہ دل میں مرے رزقِ ہم ہوئے
اہلِ ہوس کی فتح ہے ترکِ نبردِ عشق — جو پاؤں اٹھ گئے وہی ان کے علم ہوئے

نالہ عدم میں چند ہمارے سپرد تھا / جو واں نہ کھنچ سکا سو وہ یہاں آکے دم ہوا

چھوڑی اسد نہ ہم نے گدائی میں دل لگی / سائل ہوئے تو عاشق اہل کرم ہوئے

رحم کر ظالم کہ کیا بود چراغ کشتہ ہے / نبض بیمار وفا دود چراغ کشتہ ہے

دل لگی کی آرزو بے چین رکھتی ہے ہمیں / ورنہ یاں بے رونقی سود چراغ کشتہ ہے

چشم خوباں خامشی میں بھی نوا پرداز ہے / سرمہ تو کہوے کہ دود شعلہ آواز ہے

پیکر عشاق ساز طالع ناساز ہے / نالہ گویا گردش سیارہ کی آواز ہے

دستگاہ دیدۂ خونبار مجنوں دیکھنا / یک بیاباں جلوۂ گل فرش پا انداز ہے

جو نہ نقد داغ دل کی کرے شعلہ پاسبانی / تو فسردگی نہاں ہے بکمین بے زبانی

مجھے اس سے کیا توقع بزمانہ جوانی / کبھی کودکی میں جس نے نہ سنی مری کہانی

یوں ہی دکھ کسی کو دینا نہیں خوب ورنہ کہتا / کہ مرے عدو کو یارب ملے میری زندگانی

ظلمت کدہ میں میرے شب غم کا جوش ہے / اک شمع ہے دلیل سحر سو خموش ہے

نے مژدۂ وصال نہ نظارۂ جمال / مدت ہوئی کہ آشتی چشم و گوش ہے

ہو کر شہید عشق میں پائے ہزار جسم / ہر موج گرد راہ مرے سر کو دوش ہے

مینے کیا ہے حسن خود آرا کو بے حجاب / اے شوق یاں اجازت تسلیم ہوش ہے

گوہر کو عقد گردن خوباں میں دیکھنا / کیا اوج پر ستارۂ گوہر فروش ہے

دیدار بادہ حوصلہ ساقی نگاہ مست — بزمِ خیال میکدۂ بے خروش ہے

اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل — زنہار اگر تمہیں ہوسِ نائے و نوش ہے

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو — میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے

ساقی بجلوہ دشمنِ ایمان و آگہی — مطرب بہ نغمہ رہزنِ تمکین و ہوش ہے

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط — ق — دامانِ باغبان و کفِ گل فروش ہے

لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ — یہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے

یا صبح دم جو دیکھیے آ کر تو بزم میں — نے وہ سرور و سور نہ جوش و خروش ہے

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی — اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں — غالب صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

آ کہ مری جان کو قرار نہیں ہے — طاقتِ بیدادِ انتظار نہیں ہے

دیتے ہیں جنت حیاتِ دہر کے بدلے — نشہ بہ اندازۂ خمار نہیں ہے

گریہ نکالے ہے تیری بزم سے مجھ کو — ہائے کہ رونے پہ اختیار نہیں ہے

ہم سے عبث ہے گمانِ رنجشِ خاطر — خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہے

دل سے اٹھا لطفِ جلوہ ہائے معانی — غیرِ گل آئینۂ بہار نہیں ہے

قتل کا میرے کیا ہے عہد تو بارے — وائے اگر عہد استوار نہیں ہے

تو نے قسم میکشی کی کھائی ہے غالب — تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے

ہجومِ غم سے یاں تک سرنگونی مجھ کو حاصل ہے — کہ تارِ دامن و تارِ نظر میں فرق مشکل ہے

رفوئے زخم سے مطلب ہے لذت زخمِ سوزن کی — سمجھیو مت کہ پاسِ درد سے دیوانہ غافل ہے

وہ گل جس گلستاں میں جلوہ فرمائی کرے غالب — چٹکنا غنچۂ گل کا صدائے خندۂ دل ہے

پا بہ دامن ہو رہا ہوں بسکہ میں صحرا نورد — خارِ پا ہیں جوہرِ آئینۂ زانو مجھے

دیکھنا حالت مرے دل کی ہم آغوشی کے وقت — ہے نگاہِ آشنا تیرا سرِ ہر مو مجھے

ہوں سراپا سازِ آہنگِ شکایت کچھ نہ پوچھ — ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ چھیڑے تو مجھے

جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آوے — جاں کالبدِ صورتِ دیوار میں آوے

سائے کی طرح ساتھ پھریں سرو و صنوبر — تو اس قدِ دلکش سے جو گلزار میں آوے

تب نازِ گراں مایگیِ اشک بجا ہے — جب لختِ جگر دیدۂ خوں بار میں آوے

دے مجھ کو شکایت کی اجازت کہ ستمگر — کچھ تجھ کو مزا بھی مرے آزار میں آوے

اس چشمِ فسوں گر کا اگر پائے اشارہ — طوطی کی طرح آئینہ گفتار میں آوے

کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے یا رب — اک آبلہ پا وادیِ پر خار میں آوے

مر جاؤں نہ کیوں رشک سے جب وہ تنِ نازک — آغوشِ خمِ حلقۂ زنار میں آوے

غارت گرِ ناموس نہ ہو گر ہوسِ زر — کیوں شاہدِ گل باغ سے بازار میں آوے

مرزا

تب چاک گریباں کا مزا ہے دل نالاں
جب اک نفس الجھا ہوا ہر تار میں آوے

آتشکدہ ہے سینہ مرا راز نہاں سے
اے وائے اگر معرض اظہار میں آوے

گنجینۂ معنی کا طلسم اوسکو سمجھیے
جو لفظ کہ ـــــ مرے اشعار میں آوے

ولہ

نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سہی
امتحاں اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی

خار خار الم حسرت دیدار تو ہے
شوق گلچین گلستان تسلی نہ سہی

۴ مے پرستاں خم مے ہے کہ ہے چشم و چراغ صحرا
ایکدن گر نہ ہوا بزم میں ساقی نہ سہی

نفس قیس کہ ہے چشم و چراغ صحرا
گر نہیں شمع سیہ خانۂ لیلی نہ سہی

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا
گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

عشرت صحبت خوباں ہی غنیمت سمجھو
نہ ہوئی ـــــ اگر عمر طبیعی نہ سہی

ولہ

عجب نشاط سے جلاد کے چلے ہیں ہم آگے
کہ اپنے سایہ سے سر پانوں سے ہے دو قدم آگے

قضا نے تھا مجھے چاہا خراب بادۂ الفت
فقط خراب لکھا بس نہ چل سکا قلم آگے

غم زمانہ نے جھاڑی نشاط عشق کی مستی
وگرنہ ہم بھی اوٹھاتے تھے لذت الم آگے

خدا کے واسطے داد اوس جنون شوق کی دینا
کہ اوسکے در پہ پہنچتے ہیں نامہ بر سے ہم آگے

ہے عمر بھر جو پریشانیاں اوٹھائی ہیں ہمنے — تمہارے آئیو اے طرہ ہائے خم بخم آگے

دل و جگر میں پرافشاں جو ایک موجۂ خوں ہے — ہم اپنے زعم میں سمجھے ہوئے تھے اسکو دم آگے

قسم جنازے پہ آنیکی میرے کھاتے ہیں غالب — ہمیشہ کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے

تغافل دوست ہوں میرا دماغ عجز عالی ہے — ولہ — اگر پہلو تہی کیجے تو جا میری بھی خالی ہے

رہا آباد عالم اہل ہمت کے نہ ہونے سے — بھرے ہیں جسقدر جام و سبو میخانہ خالی ہے

کب وہ سنتا ہے کہانی میری — ولہ — اور پھر وہ بھی زبانی میری

خلش غمزۂ خونریز نہ پوچھ — دیکھ خونابہ فشانی میری

کیا بیاں کرکے مرا روئینگے یار — مگر آشفتہ بیانی میری

ہوں ز خود رفتۂ بیدای خیال — بھول جانا ہے نشانی میری

متقابل ہے مقابل میرا — رک گیا دیکھ روانی میری

قدر سنگ سر رہ رکھتا ہوں — سخت ارزاں ہے گرانی میری

گرد باد رہ بیتابی ہوں — صرصر شوق ہے بانی میری

دہن اوسکا جو نہ معلوم ہوا — کھل گئی ہیچمدانی میری

کر دیا ضعف نے عاجز غالب — ننگ پیری ہے جوانی میری

گلشن کو تری صحبت از بسکہ خوش آئی ہے — ولہ — ہر غنچہ کا گل ہونا آغوش کشائی ہے

[illegible]

وہاں کنگرِ استغنا ہر دم ہے بلندی پر — یہاں نالہ کو اور الٹا دعوائے رسائی ہے

از بسکہ سکھاتا ہے غم ضبط کے اندازے — جو داغ نظر آیا اک چشم نمائی ہے

وله

نقشِ نازِ بتِ طناز بہ آغوشِ رقیب — پای طاؤس لیے خامۂ مانی مانگے

تو وہ بدخو کہ تحیر کو تماشا جانے — غم وہ افسانہ کہ آشفتہ بیانی مانگے۔

وہ تب عشق تمنا ہے کہ پھر صورت شمع — شعلہ تا نبض جگر ریشہ دوانی مانگے

وله

جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی — لکھ دیجیو یا رب اسے قسمت میں عدو کی

اچھا ہے سر انگشت حنائی کا تصور — دل میں نظر آتی تو ہے اک بوند لہو کی

کیوں ڈرتے ہو عشاق کی بے حوصلگی سے — یاں تو کوئی سنتا نہیں فریاد کسو کی

ق

صد حیف وہ ناکام کہ اک عمر سے غالب — حسرت میں رہے ایک بت عربدہ جو کی

دشنے نے کبھی منہ نہ لگایا ہو جگر کو — خنجر نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گلو کی

وله

سیماب پشت گرمیِ آئینہ دے ہے ہم — حیراں کئے ہوئے ہیں دل بیقرار کے

آغوش گل کشودہ برای وداع ہے — اے عندلیب چل کہ چلے دن بہار کے

وله

ہے وصل ہجر عالم تمکین و ضبط میں — معشوق شوخ و عاشق دیوانہ چاہیے

اس لب سے مل ہی جائے گا بوسہ کبھی تو ہاں — شوق فضول و جرأت رندانہ چاہیے۔

وله

چاہیے اچھوں کو جتنا چاہیے — یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیے

صحبتِ رنداں سے واجب ہے حذر — جائے مے اپنے کو کھینچا چاہیے

چاک مت کر جیب بے ایامِ گل — کچھ ادھر کا بھی اشارہ چاہیے

دوستی کا پردہ ہے بیگانگی — منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے

دشمنی نے میری کھویا غیر کو — کس قدر دشمن ہے دیکھا چاہیے

اپنی رسوائی میں کیا چلتی ہے سعی — یار ہی ہنگامہ آرا چاہیے

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید — ناامیدی اس کی دیکھا چاہیے

غافل ان مہ طلعتوں کے واسطے — چاہنے والا بھی اچھا چاہیے

چاہتے ہیں خوبرویوں کو اسد — ق — آپ کی صورت تو دیکھا چاہیے

ہر قدم دوریِ منزل ہے نمایاں مجھ سے — میری رفتار سے بھاگے ہے بیاباں مجھ سے

درسِ عنوانِ تماشا بہ تغافل خوشتر — ہے نگہ رشتۂ شیرازۂ مژگاں مجھ سے

وحشتِ آتشِ دل سے شبِ تنہائی میں — صورتِ دود رہا سایہ گریزاں مجھ سے

غمِ عشاق نہ ہو سادگی آموزِ بتاں — کس قدر خانۂ آئینہ ہے ویراں مجھ سے

اثرِ آبلہ سے جادۂ صحرائے جنوں — صورتِ رشتۂ گوہر ہے چراغاں مجھ سے

بیخودی بسترِ تمہیدِ فراغت ہو جو — پُر ہے سائے کی طرح میرا شبستاں مجھ سے

بیکسیہائے شبِ ہجر کی وحشت ہے ہے — سایہ خورشیدِ قیامت میں ہے پنہاں مجھ سے

شوقِ دیدار میں گر تو مجھے گردن مارے | ہو نگہ مثلِ گلِ شمع پریشاں مجھ سے
گردشِ ساغرِ صد جلوۂ رنگیں تجھ سے | آئنہ داریِ یک دیدۂ حیراں مجھ سے
نگہِ گرم سے ایک آگ ٹپکتی ہے اسدؔ | ہے چراغاں خس و خاشاکِ گلستاں مجھ سے

ولہ

چاک کی خواہش اگر وحشت بہ عریانی کرے | صبح کے مانند زخمِ دل گریبانی کرے
جلوے کا تیرے وہ عالم ہے کہ گر کیجے خیال | دیدۂ دل کو زیارت گاہِ حیرانی کرے
ہے شکستن سے بھی دل نومید یا رب کب تلک | آبگینہ کوہ پر عرضِ گرانجانی کرے
میکدہ گر چشمِ مستِ ناز سے پاوے شکست | موئے شیشہ دیدۂ ساغر کی مژگانی کرے
خطِ عارض سے لکھا ہے زلف کو الفت نے عہد | یک قلم منظور ہے جو کچھ پریشانی کرے

ولہ

وہ آ کے خواب میں تسکینِ اضطراب تو دے | ولے مجھے تپشِ دل مجالِ خواب تو دے
دکھا کے جنبشِ لب ہی تمام کر ہم کو | نہ دے جو بوسہ تو منہ سے کہیں جواب تو دے
کرے ہے قتل لگاوٹ میں تیرا رو دینا | تری طرح کوئی تیغِ نگہ کو آب تو دے
پلا دے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے | پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے
اسدؔ خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے | کہا جو اس نے ذرا میرے پاؤں داب تو دے

ولہ

تپش سے میری وقفِ کشمکش ہر تارِ بستر ہے | مرا سر رنجِ بالیں ہے مرا تن بارِ بستر ہے

سرشک سر بصحرا دادہ نور العین دامن ہے
دل بے دست و پا افتادہ برخوردار بستر ہے

خوشا اقبال رنجوری عیادت کو تم آئے ہو
فروغ شمع بالیں طالع بیدار بستر ہے

بطوفاں گاہ جوش اضطراب شام تنہائی
شعاع آفتاب صبح محشر تار بستر ہے

ابھی آتی ہے بو بالش سے اوس کی زلف مشکیں کی
ہمارے ذوق کو خواب زلیخا عار بستر ہے

کہوں کیا دل کی کیا حالت ہے ہجر یار میں غالبؔ
کہ بیتابی سے ہر اک تار بستر خار بستر ہے

خطر ہے رشتۂ الفت رگ گردن نہ ہو جاوے
غرور دوستی آفت ہے تو دشمن نہ ہو جاوے

سمجھ اس فصل میں کوتاہی نشو و نما غالبؔ
اگر گل سرو کے قامت پہ پیراہن نہ ہو جاوے

ولہ

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے
نالہ پابند نے نہیں ہے

کیوں بوتے ہیں باغباں تونبے
گر باغ گدائے مے نہیں ہے

ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے
پر تجھ سے کوئی شے نہیں ہے

ہاں کھائیو مت فریب ہستی
ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

شادی سے گزر کہ غم نہووے
اردی جو نہو تو دی نہیں ہے

کیوں رد قدح کرے ہے زاہد
مے ہے یہ مگس کی قے نہیں ہے

ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالبؔ
آخر تو کیا ہے اے نہیں ہے

نہ پوچھ نسخۂ مرہم جراحتِ دل کا — کہ اس میں ریزۂ الماس جزوِ اعظم ہے
بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی — وہ اک نگہ کہ بظاہر نگاہ سے کم ہے

کرے ہے بادہ ترے لب سے کسبِ رنگِ فروغ — خطِ پیالہ سراسر نگاہِ گلچیں ہے
کبھی تو اس دلِ شوریدہ کی بھی داد ملے — کہ ایک عمر سے حسرت پرستِ بالیں ہے
بجا ہے گر نہ سنے نالہ ہائے بلبلِ زار — کہ گوشِ گل نمِ شبنم سے پنبہ آگیں ہے
اسد ہے نزع میں چل بے وفا برائے خدا — مقامِ ترکِ حجاب و وداعِ تمکیں ہے

کیوں نہ ہو چشمِ بتاں محوِ تغافل کیوں نہ ہو — یعنی اس بیمار کو نظارے سے پرہیز ہے
مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائے گی — وائے ناکامی کہ اس کافر کا خنجر تیز ہے
عارضِ گل دیکھ روئے یار یاد آیا اسد — جوششِ فصلِ بہاری اشتیاق انگیز ہے

ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے — مرتے ہیں ولے اس کی تمنا نہیں کرتے
در پردہ انہیں غیر سے ہے ربطِ نہانی — ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پردا نہیں کرتے
یہ باعثِ نومیدیِ اربابِ ہوس ہے — غالب کو برا کہتے ہو اچھا نہیں کرتے

دیکھ کر در پردہ گرمِ دامن افشانی مجھے — کر گئی وابستۂ تن میری عریانی مجھے
بن گیا تیغِ نگاہِ یار کا سنگِ فساں — مرحبا میں کیا مبارک ہے گراں جانی مجھے
کیوں نہ ہو بے التفاتی اس کی خاطر جمع ہے — جانتا ہے محوِ پرسش ہائے پنہانی مجھے

میرے غم خانے کی قسمت جب رقم ہونے لگی
لکھ دیا منجملۂ اسبابِ ویرانی مجھے

بدگماں ہوتا ہے وہ کافر نہ ہوتا کاش کے
اس قدر ذوقِ نوائے مرغِ بستانی مجھے

وائے واں بھی شورِ محشر نے نہ دم لینے دیا
لے گیا تھا گور میں ذوقِ تن آسانی مجھے

وعدہ آنے کا وفا کیجے یہ کیا انداز ہے
تم نے کیوں سونپی ہے میرے گھر کی دربانی مجھے

ہاں نشاطِ آمدِ فصلِ بہاری واہ واہ
پھر ہوا ہے تازہ سودائے غزل خوانی مجھے

دی مرے بھائی کو حق نے از سرِ نو زندگی
میرزا یوسف ہے غالب یوسفِ ثانی مجھے

یاد ہے شادی میں بھی ہنگامۂ یا رب مجھے
سبحۂ زاہد ہوا ہے خندہ زیرِ لب مجھے

ہے کشادِ خاطرِ وابستہ در رہنِ سخن
تھا طلسمِ قفلِ ابجد خانۂ مکتب مجھے

یا رب اس آشفتگی کی داد کس سے چاہیے
رشک آسائش پہ ہے زندانیوں کی اب مجھے

طبع ہے مشتاقِ لذت ہائے حسرت کیا کروں
آرزو سے ہے شکستِ آرزو مطلب مجھے

دل لگا کر آپ بھی غالب مجھی سے ہو گئے
عشق سے آتے تھے مانع میرزا صاحب مجھے

کبھی نیکی بھی اس کے جی میں گر آ جائے ہے مجھ سے
جفائیں کر کے اپنی یاد شرما جائے ہے مجھ سے

خدایا جذبۂ دل کی مگر تاثیر الٹی ہے
کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھنچتا جائے ہے مجھ سے

وہ بدخو اور میری داستانِ عشق طولانی
عبارت مختصر قاصد بھی گھبرا جائے ہے مجھ سے

ادھر وہ بدگمانی ہے ادھر یہ ناتوانی ہے
نہ پوچھا جائے ہے اس سے نہ بولا جائے ہے مجھ سے

سنبھلنے دے

سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے — کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے
تکلف برطرف نظارگی میں بھی سہی لیکن — وہ دیکھا جائے کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے
ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے نبردِ عشق میں زخمی — نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے
قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا ہم سفر غالب — وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

ولہ

لاغر اتنا ہوں کہ گر تو بزم میں جا دے مجھے — میرا ذمہ دیکھ کر گر کوئی بتلا دے مجھے
کیا تعجب ہے کہ اس کو دیکھ کر آ جائے رحم — واں تلک کوئی کسی حیلے سے پہنچا دے مجھے
منہ نہ دکھلاوے نہ دکھلا پر بہ اندازِ عتاب — کھول کر پردہ ذرا آنکھیں ہی دکھلا دے مجھے
یاں تلک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہ میں — زلف گر بن جاؤں تو شانے میں الجھا دے مجھے

ولہ

زبسکہ مشقِ تماشا جنوں علامت ہے — کشاد و بستِ مژہ سیلیِ ندامت ہے
نہ جانوں کیونکہ مٹے داغِ طعنِ بدعہدی — تجھے کہ آئینہ بھی ورطۂ ملامت ہے
بہ پیچ و تابِ ہوس سلکِ عافیت مت توڑ — نگاہِ عجز سرِ رشتۂ سلامت ہے
وفا مقابل و دعوائے عشق بے بنیاد — جنونِ ساختہ و فصلِ گل قیامت ہے

ولہ

رونے سے اور عشق میں بیباک ہو گئے — دھوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہو گئے
صرفِ بہائے مے ہوئے آلاتِ میکشی — تھے یہ ہی دو حساب سو یوں پاک ہو گئے
رسوائے دہر گو ہوئے آوارگی سے تم — بارے طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے

کہتا ہے کون نالۂ بلبل کو بے اثر | پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے
پوچھے ہے کیا وجود و عدم اہل شوق کا | آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہو گئے
کرنے گئے تھے اس سے تغافل کا ہم گلا | کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے
اس رنگ سے اٹھائی کل اس نے اسد کی نعش | دشمن بھی جس کو دیکھ کے غمناک ہو گئے

ولہ
نشہ ہا شاداب رنگ و ساز ہا مست طرب | شیشۂ مے سرو سبز جوئبار نغمہ ہے
ہم نشیں مت کہہ کہ برہم کر نہ بزم عیش دوست | واں تو میرے نالے کو بھی اعتبار نغمہ ہے

عرض ناز شوخی دنداں برائے خندہ ہے | دعوی جمعیت احباب جائے خندہ ہے
کلفت افسردگی کو عیش بیتابی حرام | ورنہ دنداں در دل افشردن بنائے خندہ ہے
ہے عدم میں غنچہ محو عبرت انجام گل | یک جہاں زانو تامل در قفائے خندہ ہے
سوزش باطن کے ہیں احباب منکر ورنہ یاں | دل محیط گریہ و لب آشنائے خندہ ہے

ولہ
حسن بے پروا خریدار متاع جلوہ ہے | آئنہ زانوئے فکر اختراع جلوہ ہے
تا کجا اے آگہی رنگ تماشا باختن | چشم وا گردیدہ آغوش وداع جلوہ ہے

جب تک دہان زخم نہ پیدا کرے کوئی | مشکل کہ تجھ سے راہ سخن وا کرے کوئی
عالم غبار وحشت مجنوں ہے سر بسر | کب تک خیال طرۂ لیلیٰ کرے کوئی
افسردگی نہیں طرب انشائے التفات | ہاں درد بن کے دل میں مگر جا کرے کوئی

رونے سے اے ندیم ملامت نہ کر مجھے
آخر کبھی تو عقدۂ دل وا کرے کوئی

لختِ جگر سے ہے رگِ ہر خار شاخِ گل
تا چند باغبانیٔ صحرا کرے کوئی

چاکِ جگر سے جب رہِ پرسش نہ وا ہوئی
کیا فائدہ کہ جیب کو رسوا کرے کوئی

ناکامیٔ نگاہ ہے برقِ نظارہ سوز
تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی

ہر سنگ و خشت ہے صدفِ گوہرِ شکست
نقصاں نہیں جنوں سے جو سودا کرے کوئی

سر بر ہوئی نہ وعدۂ صبر آزما سے عمر
فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی

ہے وحشتِ طبیعتِ ایجاد یاس خیز
یہ درد وہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی

بیکاریٔ جنوں کو ہے سر پیٹنے کا شغل
جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی

حسنِ فروغِ شمعِ سخن دور ہے
پہلے دلِ گداختہ پیدا کرے کوئی

باغ پا کر خفقانی یہ ڈراتا ہے مجھے
سایۂ شاخِ گل افعی نظر آتا ہے مجھے

جوہرِ تیغ بسر چشمۂ دیگر معلوم
ہوں میں وہ سبزہ کہ زہر آب اگاتا ہے مجھے

مدعا محوِ تماشائے شکستِ دل ہے
آئینہ خانے میں کوئی لیے جاتا ہے مجھے

نالہ سرمایۂ یک عالم و عالم کفِ خاک
آسماں بیضۂ قمری نظر آتا ہے مجھے

زندگی میں تو وہ محفل سے اٹھا دیتے تھے
دیکھوں اب مر گئے پر کون اٹھاتا ہے مجھے

کوہ کے ہوں بارِ خاطر گر صدا ہو جائیے
بے تکلف اے شرارِ جستہ کیا ہو جائیے

بیضہ آسا ننگِ بال و پر ہے یہ کنجِ قفس
از سرِ نو زندگی ہو گر رہا ہو جائیے

مستی بذوقِ غفلتِ ساقی ہلاک ہے
موجِ شراب یک مژۂ خوابناک ہے

جُز زخمِ تیغِ ناز نہیں دل میں آرزو
جیبِ خیال بھی ترے ہاتھوں سے چاک ہے

جوشِ جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اسد
صحرا ہماری آنکھ میں یک مشتِ خاک ہے

لبِ عیسیٰ کی جنبش کرتی ہے گہوارہ جنبانی
قیامت کشتۂ لعلِ بتاں کا خوابِ سنگیں ہے

آمدِ سیلابِ طوفانِ صدائے آب ہے
نقشِ پا جو کان میں رکھتا ہے انگلی جادہ سے

بزمِ مے وحشت کدہ ہے کس کی چشمِ مست کا
شیشے میں نبضِ پری پنہاں ہے موجِ بادہ سے

جس جا نسیم شانہ کشِ زلفِ یار ہے
نافہ دماغِ آہوئے دشتِ تتار ہے

کس کا سراغِ جلوہ ہے حیرت کو اے خدا
آئینہ فرشِ شش جہتِ انتظار ہے

ہے ذرہ ذرہ تنگیِ جا سے غبارِ شوق
گر دام یہ ہے وسعتِ صحرا شکار ہے

دل مدعی و دیدہ بنا مدعا علیہ
نظارہ کا مقدمہ پھر روبکار ہے

چھڑکے ہے شبنم آئینۂ برگِ گل پر آب
اے عندلیب وقتِ وداعِ بہار ہے

بچ آ پڑی ہے وعدۂ دلدار کی مجھے
وہ آوے یا نہ آوے پہ یاں انتظار ہے

بے پردہ سوئے وادیِ مجنوں گزر نہ کر
ہر ذرے کے نقاب میں دل بے قرار ہے

اے عندلیب یک کفِ خس بہرِ آشیاں
طوفانِ آمد آمدِ فصلِ بہار ہے

دل مت گنوا، خبر نہ سہی سیر ہی سہی
اے بے دماغ آئنہ تمثال دار ہے

غفلت کفیلِ عمر و اسد ضامنِ نشاط
اے مرگِ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے

ہوں میں بھی تماشائیِ نیرنگِ تمنا
مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی بر آوے

خموشیوں میں تماشا ادا نکلتی ہے
نگاہ دل سے تری سرمہ سا نکلتی ہے

فشارِ تنگیِ خلوت سے بنتی ہے شبنم
صبا جو غنچے کے پردے میں جا نکلتی ہے

نہ پوچھ سینۂ عاشق سے آبِ تیغِ نگاہ
کہ زخمِ روزنِ در سے ہوا نکلتی ہے

ہجومِ نالہ، حیرت عاجزِ عرضِ یک افغاں ہے
خموشی ریشۂ صد نیستاں سے خس بدنداں ہے

تکلف برطرف ہے جاں ستاں تر لطفِ بدخویاں
نگاہِ بے حجابِ ناز تیغِ تیزِ عریاں ہے

ہوئی یہ کثرتِ غم سے تلف کیفیتِ شادی
کہ صبحِ عید مجھ کو بدتر از چاکِ گریباں ہے

دل و دیں نقد لا ساقی سے گر سودا کیا چاہے
کہ اس بازار میں ساغر متاعِ دستگرداں ہے

غم آغوشِ بلا میں پرورش دیتا ہے عاشق کو
چراغِ روشن اپنا قلزمِ صرصر کا مرجاں ہے

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

حسرت نے لا رکھا تری بزمِ خیال میں
گلدستۂ نگاہ سویدا کہیں جسے

پھونکا ہے کس نے گوشِ محبت میں اے خدا
افسونِ انتظار تمنا کہیں جسے

سر پر ہجومِ دردِ غریبی سے ڈالیے
وہ ایک مشتِ خاک کہ صحرا کہیں جسے

ہے چشم تر میں حسرت دیدار سے نہاں
شوق عناں گسیختہ دریا کہیں جسے

درکار ہے شگفتن گلہائے عیش کو
صبح بہار پنبۂ مینا کہیں جسے

غا[لب] برا نہ مان جو واعظ برا کہے
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

وله

شبنم بہ گل لالہ نہ خالی ز ادا ہے
داغ دل بیدرد نظرگاہ حیا ہے

دل خوں شدۂ کشمکش حسرت دیدار
آئینہ بدست بت بدمست حنا ہے

شعلے سے نہ ہوتی ہوس شعلہ نے جو کی
جی کس قدر افسردگی دل پہ جلا ہے

تمثال میں تیری ہے وہ شوخی کہ بصد ذوق
آئینہ بانداز گل آغوش کشا ہے

قمری کف خاکستر و بلبل قفس رنگ
اے نالہ نشان جگر سوختہ کیا ہے

خو نے تری افسردہ کیا وحشت دل کو
معشوقی و بے حوصلگی طرفہ بلا ہے

مجبوری و دعوائے گرفتاری الفت
دست تہ سنگ آمدہ پیمان وفا ہے

معلوم ہوا حال شہیدان گذشتہ
تیغ ستم آئینۂ تصویر نما ہے

اے پرتو خورشید جہاں تاب ادھر بھی
سایہ کی طرح ہم پہ عجب وقت پڑا ہے

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

بیگانگی خلق سے بیدل نہ ہو غالب
کوئی نہیں تیرا تو مری جان خدا ہے

وله

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے
جوش قدح سے بزم چراغاں کیے ہوئے

کرتا ہوں جمع پھر جگرِ لخت لخت کو
عرصہ ہوا ہے دعوتِ مژگاں کیے ہوئے

پھر وضعِ احتیاط سے رکنے لگا ہے دم
برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کیے ہوئے

پھر گرم نالہ ہائے شرربار ہے نفس
مدت ہوئی ہے سیرِ چراغاں کیے ہوئے

پھر پرسشِ جراحتِ دل کو چلا ہے عشق
سامانِ صد ہزار نمکداں کیے ہوئے

پھر بھر رہا ہوں خامۂ مژگاں بخونِ دل
سازِ چمن طرازئ داماں کیے ہوئے

باہم دگر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب
نظارہ و خیال کا ساماں کیے ہوئے

دل پھر طوافِ کوئے ملامت کو جائے ہے
پندار کا صنم کدہ ویراں کیے ہوئے

پھر شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب
عرضِ متاعِ عقل و دل و جاں کیے ہوئے

دوڑے ہے پھر ہر ایک گل و لالہ پر خیال
صد گلستاں نگاہ کا ساماں کیے ہوئے

پھر چاہتا ہوں نامۂ دلدار کھولنا
جاں نذرِ دلفریبئ عنواں کیے ہوئے

مانگے ہے پھر کسی کو لبِ بام پر ہوس
زلفِ سیاہ رخ پہ پریشاں کیے ہوئے

چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو
سرمے سے تیز دشنۂ مژگاں کیے ہوئے

ایک نوبہارِ ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ
چہرہ فروغِ مے سے گلستاں کیے ہوئے

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن
بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے

پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں
سر زیرِ بارِ منتِ درباں کیے ہوئے

غالب ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوشِ اشک سے
بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفاں کیے ہوئے

منقبت قصیدہ در منقبت جناب مرتضیٰ علیہ السلام

ساز یک ذرہ نہیں فیضِ چمن سے بیکار
سایۂ لالۂ بے داغ سویدائے بہار

مستیٔ بادِ صبا سے ہے بہ عرضِ سبزہ
ریزۂ شیشۂ مے جوہرِ تیغِ کہسار

سبز ہے جامِ زمرد کی طرح داغِ پلنگ
تازہ ہے ریشۂ نارنج صفت روئے شرار

مستیٔ ابر سے گلچینِ طرب ہے حسرت
کہ اس آغوش میں ممکن ہے دو عالم کا فشار

کوہ و صحرا ہمہ معموریٔ شوقِ بلبل
راہِ خوابیدہ ہوئی خندۂ گل سے بیدار

سونپے ہے فیضِ ہوا صورتِ مژگانِ یتیم
سرنوشتِ دو جہاں ابر بہ یک سطرِ غبار

کاٹ کر پھینکیے ناخن تو بہ اندازِ ہلال
قوتِ نامیہ اس کو بھی نہ چھوڑے بیکار

کفِ ہر خاک بہ گردوں شدہ قمری پرواز
دامِ ہر کاغذِ آتش زدہ طاؤسِ شکار

میکدے میں ہو اگر آرزوئے گل چینی
بھول جا یک قدحِ بادہ بہ طاقِ گلزار

موجِ گل ڈھونڈھ بہ خلوتکدۂ غنچۂ باغ
گم کرے گوشۂ میخانہ میں گر تو دستار

کھینچے گر مانیٔ اندیشہ چمن کی تصویر
سبز مثلِ خطِ رخسار ہو خطِ پرکار

لعل سے کی ہے پئے زمزمۂ مدحتِ شاہ
طوطیٔ سبزۂ کہسار نے پیدا منقار

وادی میں جن تک سے جادہ ہو جس کی برگِ کاہ
وہ ہے مروحۂ بالِ پری سے بیزار

خاکِ صحرائے نجف

خاکِ صحرائے نجف جوہرِ سیرِ عرفاں — چشمِ نقشِ قدم آئینۂ بختِ بیدار

ذرہ اس گرد کا خورشید کو آئینۂ ناز — گرد اس دشت کی امید کو احرامِ بہار

آفرینش کو ہے واں سے طلبِ مستیِ ناز — عرضِ خمیازۂ ایجاد ہے ہر موجِ غبار

فیض سے تیرے ہے اے شمعِ شبستانِ بہار — دلِ پروانہ چراغاں، پرِ بلبل گلزار

شکلِ طاؤس کرے آئنہ خانہ پرواز — ذوق میں جلوے کے تیرے بہ ہوائے دیدار

تیری اولاد کے غم سے ہے بروئے گردوں — سلکِ اختر میں مہِ نو مژۂ گوہر بار

ہم عبادت کو ترا نقشِ قدم مہرِ نماز — ہم ریاضت کو ترے حوصلے سے استظہار

مدح میں تیری نہاں زمزمۂ نعتِ نبی — جام سے تیرے عیاں بادۂ جوشِ اسرار

جوہرِ دستِ دعا آئنہ یعنی تاثیر — یک طرف نازشِ مژگاں و دگر سو غمِ خار

مردمک سے ہو عزا خانۂ اقبالِ نگاہ — خاکِ در کی ترے جو چشم نہ ہو آئنہ وار

دشمنِ آلِ نبی کو بہ طرب خانۂ دہر — عرضِ خمیازۂ سیلاب ہو طاقِ دیوار

دیدہ تا دل اسدؔ آئنۂ یک پرتوِ شوق — فیضِ معنی سے خطِ ساغرِ راقم سرشار

منقبت

دہر جز جلوۂ یکتائیِ معشوق نہیں — ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خودبیں

بے دلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق — بے کسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں

باده هستی همه زیر و بم هستی و عدم — لوح آینه فرق جنون و تمکین

منت شیون و فا باید بدست تسلیم — صورت نقش قدم خاک لغزش تمکین

لاف دانش غلط و نفع عبادت معلوم — در دکان ساغر غفلت چه دنیا و چه دین

نقش معنی همه خمیازه عرض صورت — سخن حق همه بیجاده ذوق تحسین

عشق بیرنگ به تسخیر اجزای حواس — وصف زنگ زنج روشن مرآت یقین

گوش از ستم مرده رطب گاه رقیب — بیستون آینه خواب گران شیرین

کشتی دیگر نفس اهل وفا آتش خیز — کشتی با باد انز نانه دلهای حزین

ساز رمزیه اهل جهان مفت تکبیر — نه سر و برگ ستایش نه دماغ نفرین

کس قدر بزرگه سر امن که عبادا بالسد — تکلفم جامع آداب وفا رو تمکین

نقش لاحول لکه ای خامه بیان تحریر — با علی عرض کرای فطرت و لوا لس قرین

مظهر فیض خدا جان و دل ختم رسل — قبله آل نبی کعبه ایجاد یقین

هو سر مایه ایجاد جهان گرم خرام — تو کف خاک تست ناموس دو عالم که امین

جلوه پرداز تو نقش قدم از کس حسن جا — هر کف خاک تسنه وهان گرد انور بر زمین

نسبت نام کس او سکی بی نمه یمنه که رضه — ابدا نت فلک خم شده تا زمین

معنی خلق ارکها شامل که تو نامی — لوی نکهت نفس باد صبا عطر گبین

الی رومانی

ہر نفس شمع کا اُڑ سکتی ہی جہان میں ہرجا
قطع ہو جای نہ سر رشتۂ ایجاد کہیں

کفر سوز اوسکا وہ جلوہ ہی کہ جس سے ٹوٹے
رنگ عاشق کیطرح رونق بتخانۂ چین

جاں پناہا دل و جاں فیض رسانا شاہا
وصی ختم رسل تو ہی بفتوای یقین

جسم اطہر کو ترے دوش پیمبر منبر
نام نامی کو ترے ناصیۂ عرش نگین

کس سی ممکن ہے تری مدح بغیر از واجب
شعلۂ شمع مگر شمع پہ باندہی آئین

آستانہ پر ہی ترے جوہر آئینۂ سنگ
رقم بندگی حضرت جبریل امین

تیرے در کے لیٔے اسباب نثار آمادہ
خاکیونکو جو خدا نے دی جان و دل و دین

تیری مدحت کے لیے ہین دل و جان کام و زبان
تیری تسلیم کو ہین لوح و قلم دست و جبین

کس سے ہو سکتی ہی مداحی ممدوح خدا
کس سی ہو سکتی ہی آرایش فردوس برین

جنس بازار معاصی اسد اللہ اسد
کہ سوا تیرے کوی اوسکا خریدار نہین

شوخی عرض مطالب مین ہے گستاخ طلب
ہے تیرے حوصلۂ فضل پہ ازبسکہ یقین

دی دعا کو مری وہ مرتبۂ حسن قبول
کہ اجابت کہی ہر حرف پہ سو بار آمین

غم شبیر سے ہو سینہ یہان تک لبریز
کہ رہین خون جگر سے مری آنکہین رنگین

طبع کو الفت دلدل مین یہ سرگرمی شوق
کہ جہان تک چلی اوس سے قدم اور مجہ سے جبین

دل الفت نسب و سینۂ توحید فضا
نگہ جلوہ پرست و نفس صدق گزین

صرفِ اعدا اثرِ شعلۂ دودِ دوزخ
وقفِ احباب گل و سنبلِ فردوسِ بریں

تمت

قطعہ در تحاشیِ معشوقان از دادِ مہر کہ قضا داستانِ آزردن آندہ و پشیمان بر ملکِ دلدادہ

گئے وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی وفاداری
کیا کرتے تھے تم تقریر ہم خاموش رہتے تھے
بس اب بگڑے پہ کیا شرمندگی جانے دو مل جاؤ
قسم لو ہم سے گر یہ بھی کہیں کیوں ہم نہ کہتے تھے

بنابر ذوقِ مطالعہ پاسِ عطائے سخن راندن و مقاطعِ گزیدہ منشی در برابرِ آن انگشت زنشا

ہے جو صاحب کے کفِ دست پہ یہ چکنی ڈلی
زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہیے
خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے
ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے
مہرِ مکتوبِ عزیزانِ گرامی لکھیے
حرزِ بازوئے شگرفانِ خود آرا کہیے
مسی آلودہ سرِ انگشتِ حسیناں لکھیے
داغِ طرفِ جگرِ عاشقِ شیدا کہیے
خاتمِ دستِ سلیماں کے مشابہ لکھیے
سرِ پستانِ پریزاد سے مانا کہیے
اخترِ سوختۂ قیس سے نسبت دیجے
خالِ مشکینِ رخِ دلکشِ لیلیٰ کہیے
حجر الاسودِ دیوارِ حرم کیجے فرض
نافہ آہوئے بیابانِ ختن کا کہیے
وضع میں اس کو اگر سمجھیے قافِ تریاق
رنگ میں سبزۂ نوخیزِ مسیحا کہیے
صومعے میں اسے ٹھہرائیے گر مہرِ نماز
میکدے میں اسے خشتِ خمِ صہبا کہیے

کیوں اسے قفل در گنج محبت لکھیے   کیوں اسے نقطۂ پرکار تمنا کہیے
کیوں اسے گوہر نایاب تصور کیجے   کیوں اسے مردمک دیدۂ عنقا کہیے
کیوں اسے تکمۂ پیراہن لیلیٰ لکھیے   کیوں اسے   پے ناقۂ سلمیٰ کہیے
بندہ پرور کے کف دست کو دل کیجے فرض   اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہیے

رباعیات

بعد از اتمام بزم عید اطفال   ایام جوانی رہے ساغر کش حال
آپہنچے ہیں تا سواد اقلیم عدم   اے عمر گذشتہ یک قدم استقبال

رباعی

شب زلف و رخ عرق فشاں کا غم تھا   کیا شرح کروں کہ طرفہ تر عالم تھا
رویا میں ہزار آنکھ سے صبح تلک   ہر قطرۂ اشک دیدۂ پرنم تھا

رباعی

آتش بازی ہے جیسے شغل اطفال   ہے سوز جگر کا بھی اسی طور کا حال
تھا موجد عشق بھی قیامت کوئی   لڑکوں کے لیے گیا ہے کیا کھیل نکال

رباعی

دل تھا کہ جو جان درد تمہید سہی   بیتابی رشک و حسرت دید سہی

صرف اعدا اثر شعلۂ و دود دوزخ   وقف احباب گل و سنبل فردوس بریں

قطعہ در تماشای همواران خود و حریف شدنها و درستی کردن اندوه پشیمانی بر ذلف دلبرا

گئے وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی وفاداری   کیا کرتے تھے تم تقریر ہم خاموش رہتے تھے
بس اب بگڑے پہ کیا شرمندگی جانے دو مل جاؤ   قسم لو ہم سے گر یہ بھی کہیں کیوں ہم نہ کہتے تھے

بطور دشنام بس چہ گفته سخن راندن و داغ آنرہ گفتم بہ جز ہزار افسوس نرسا

ہے جو صاحب کے کف دست پہ یہ چکنی ڈلی   زیب دیتا ہے اسے جسقدر اچھا کہیے
خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے   ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے
مہر مکتوب عزیزان گرامی لکھیے   حرز بازوی شگرفان خود آرا کہیے
مسی آلودہ سر انگشت حسیناں لکھیے   داغ طرف جگر عاشق شیدا کہیے
خاتم دست سلیماں کے مشابہ لکھیے   سر پستان پریزاد سے مانا کہیے
اختر سوختۂ قیس سے نسبت دیجے   خال مشکین رخ دلکش لیلی کہیے
حجر الاسود دیوار حرم کیجے فرض   نافۂ آہوی بیابان ختن کا کہیے
وضع میں اسکو اگر سمجھیے قاف تریاق   رنگ میں سبزۂ نوخیز مسیحا کہیے
صومعی میں اسے ٹھہرائی گر مہر نماز   میکدہ میں اسے خشت خم صہبا کہیے

کیوں کہا

کیون اُسی فصل در گنج محبت لکہی ۔   کیہین اُسے نقطۂ پرکار تمنا کہی

کیہین اسی گوہر نایاب تصور کیجے   کیہین اُسے مردمک دیدۂ عنقا کہی

کیہین اسی نکتۂ پیرایہ لیلیٰ کہی   کیہین اُسے ... رے نافہ سلمیٰ کہی

بندہ پرور کے کف دست کو دل کیجی فرض   اور اُس چلبے سپاری کو سویدا کہی

رباعیات

بعد از اتمام بزم عید اطفال   ایام جوانی رہے ساغر کش حال

آپہونچی ہی تا سواد اقلیم عدم   ای عمر گذشتہ یک قدم استقبال

رباعی

شب زلف و رخ عرق فشان کا غم تہا   کیا شرح کرون کہ طرفہ تر عالم تہا

رویا مین ہزار آنکہ سی صبح تلک   ہر قطرہ اشک دیدۂ پرنم تہا

رباعی

آتش بازی جی جیسی شغل اطفال   ہی سوز جگر کا بہی کچہ اب ہی حال

تہا موجد عشق بہی قیامت کوی   لڑکون کی لیے گیا ہی کیا کہیل نکال

رباعی

دل تہا کہ جو جان درد تمہید سہی   بیتابی رشک و حسرت دید سہی

ہم اور وزن اے نجبی افسوس
تکرار روا نہیں تو تجدید سہی

ہے خلق حسد قماش لڑنے کے لیے
وحشتکدہ تلاش لڑنے کے لیے
یعنی ہر بار صورت کاغذ باد
ملتے ہیں یہ بد معاش لڑنے کے لیے

دکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالب
دل رک رک کر بند ہو گیا ہے غالب
واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں
سونا سوگند ہو گیا ہے غالب

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل
سن سن کے اسے سخنوران کامل
آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش
گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

ہیں شہ میں صفات ذوالجلالی باہم
آثار جلالی و جمالی باہم
ہوں شاد نہ کیوں سافل و عالی باہم
ہے اب کے شب قدر و دوالی باہم

تمام شد

صبحی ہے جو مجملہ اے جمع زر دال
ہے فضل و عنایات شہنشاہ پہ دال
تیار پسندیدہ دال بے بحث و جدال
ہے دانش و داد و دولت و دین کا دال

Diwan-e-Ghalib

(Urdu)

Khuda Bakhsh Library Manuscript

Introduced by

Dr.Farrukh Jalali

Khuda Bakhsh Oriental Public Library
Patna